سوانح زیب النساء بیگم

مع تصاویر

جس میں شہزادی زیب النساء بیگم کی مفصل سوانحعمری انکی مصروف زندگی کے اہم واقعات اور انکی شاعری کے نازک ترین نکات

[illegible]

[illegible]

مؤلفہ

ابوالفضل مولوی شیخ عاشق حسین صاحب سیماب صدیقی الوارثی

باہتمام حافظ ناصر الدین

۱۹۳۳ء

ابوالعلائی اسٹیم پریس آگرہ میں چھپی

قیمت

شبیہ زیب النساء بیگم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

آج ہم ایک ایسی خاتون عصمت مآب اور عاقلۂ عدیم المثال کی سوانحعمری لکھنے کے لئے آمادہ ہوئے ہیں جسے اس دار فانی سے گذرے ہوئے دو صدیاں گذر چکیں۔ لیکن اوسکا نام صفحات دنیا پر ہنوز باقی ہے۔ انسان کی غایت تخلیق یہ ہے کہ وہ دنیا میں پیدا ہو تو ایسے کام کرے جن کی وجہ سے اوسکا نام اوس کے بعد بھی زندہ رہے مشیت ایزدی کا اقتضا انسان [illegible] یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ پیدا ہو نشوونما پائے، کھائے پئے عیش کرے اور جب وقت آخر آئے تو گمنام و نشان دنیا کو خیرباد کہکر کتم عدم میں پوشیدہ ہو جائے۔ جب ہم اپنے اسلاف کی زندگی کے حالات پر بالاستیفا نگاہ تنقید ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں میں سے بعض ایسی ہستیاں گذر چکیں ہیں جن کو لوگ قیامت تک یاد کریں گے اور جن کی برکات کی یادگاری سوانح ہزاروں برس تک دلوں میں احساس پیدا کرتے رہیں گے۔

زیب النساء اگرچہ ایک عورت تھی لیکن اوس کی لائف پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ وہ آجکل کے مردوں سے بھی زیادہ عقیل۔ عالم۔ نکتہ سنج۔ شاعر اور

شریف الخیال عورت تھی - عورت ہونا اوس کی فطرت میں داخل تھا لیکن وہ
مردوں سے زیادہ شجیع اور صابر ثابت ہوئی - وہ ناز و نعم میں پلی اور ناز و نعم میں
رخصت ہوئی - لیکن اوسکا دل فقر کا سرمایہ دار اور اوس کے خیالات عالی پایہ
رہے وہ ایسی تھی کہ یوروپین مصور بھی اوس کے کیریکٹر میں بدخلقی کا رنگ بھرنے
سے عاجز آگئے - یوں ضد کی اور بات ہے کہ ایک شخص کے مرنے کے بعد
اوس کی خوش افعالیوں پر پردہ ڈالنے کیلئے کوئی لاطائل الزامات تراش کر
اُسے مطعون خلایق کرنے کا ارادہ کرلے -

اس خاتون مرحومہ کی لایف سے دو باتیں ایسی حاصل ہوتی ہیں جن کا پتہ
کسی دوسرے زنانہ سوانح میں نہیں ملتا - (۱) شاعری (۲) محبت - شاعری
گو اوس کی مادری زبان ممد خاص تھی تاہم علوے خیالات اور شستگی جذبات
اُسکا فطری حصّہ تھا - جو قدرت نے عام طور پر ہر عورت کو ودیعت نہیں کیا -
وہ اپنے ہمعصر شعرا سے میدان سخن میں ہمیشہ ایک قدم آگے رہی - کچھ
اسلئے نہیں کہ وہ ایک بادشاہ کی لڑکی تھی بلکہ اسلئے کہ اوس کی ذہانت طبع اور
علمی لیاقت نے اسے معراج کمال کو پہونچا دیا تھا - اوسکی شاعری میں رنگ
جذبات اس طرح ہویدا ہوتا ہے کہ اوس پر زنانہ شاعری کا اطلاق
کرنا مشکل ہوجاتا ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جس نے معاصرین
سے اس کو پیچھے نہ رہنے دیا -

محبت عورتوں کا خاص حصّہ ہے - کہ اگر یہ چاہیں تو مراسم محبت کو
مرد سے زیادہ نباہ سکتی ہیں - اس لایف میں محبت کا رنگ گو کامیاب

نہیں ہے تاہم سنجیدگی۔ اخفائے عشق اور حجاب جذبات کے متعلق بہت سے اسباق اس میں ایسے مل سکیں گے جو ناظرین کے لئے نزہت طبع کا باعث ہوں گے۔

زیب النسا کی لائف پر ابتک جتنے صحائف لکھے گئے وہ سب ہمارے سامنے موجود ہیں۔ واقعات کی یکسانیت اس بات کی شاہد ہے کہ مرحومہ موصوفہ کی لائف تمام مورخوں کی نگاہ میں ایکسا درجہ رکھتی ہے تاہم آرائے کی اور بات ہے۔ کہ ایک واقعہ کے متعلق میری اور کچھ رائے ہے اور آپ کی کچھ تاہم واقعات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جو حملے زیب النسا کی زندگی پر بعض کج فہموں نے مذہبی کاوش کی وجہ سے کئے اون کا جواب بہت زیادہ دیا جاچکا ہے جن کے اعادہ کی ہم ضرورت نہیں سمجھتے۔

زیب النسا کے حالات زیادہ تر ناول یا فسانوں کے پیرائے میں لکھے گئے ہیں جن میں ایشیائی مذاق کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے کہ صبح و شام کی مناظر نمائی ایسی تالیفات کا جزو خاص ہے۔ لیکن ہمنے جو طرز اختیار کی ہے وہ اس رنگ سے خالی ہے ہم ایشیائی مذاق کے حامی ہیں لیکن مناظر نمائی سے صفحات پری کرنا معیوب سمجھتے ہیں اس لئے اس سوانح عمری میں جو حالات آپ کو ملیں گے وہ بے کم و کاست ہوں گے جن میں مبالغہ کو دخل نہیں۔ واقعات کا تسلسل بھی ہمیں دوسری سوانح میں بہت کم ملا۔ لیکن ہمنے کوشش کی ہے کہ تسلسل واقعات میں اگر

ترتیب کا لحاظ رہے تو مناسب ہے اور یہ بات آپ کو صرف اسی کتاب میں ملیگی۔ زیب النسا کی فکر سخن کے متعلق اکثر مباحث اسمیں ملیں گے۔ لیکن پوری غزلوں کی نقل سے ارادتاً چشم پوشی کی گئی ہے۔ جو لوگ کلام مرحومہ کے شایق ہوں وہ دیوان سے اپنا شوق پورا کر سکتے ہیں تاہم تمثال امر کے لئے مرحومہ کی شاعری اور نمونۂ کلام کا اتنا مسالہ اس میں موجود ہے کہ ناظرین کی ضیافت طبع کیلئے غالباً کافی ہوگا ہم نے اُن تمام واقعات سے قطع نظر کرنا اولی سمجھا ہے جن میں مورخین کا باہمی اختلاف۔ اور وہ تمام واقعات درج کر دیے ہیں جن کی اصلیت میں کوئی جھگڑا نہیں ہے آخر میں ہم اتنا اور عرض کرنا چاہتے ہیں کہ باوجود کوشش و تحقیق بھی اگر کوئی لغزش رہگئی ہو تو ناظرین کریم النفس اُسے بشریت پر محمول فرمائیں گے تسیط حالات و واقعات کا ذریعۂ خاص فی زمانہ صرف کتب مروجہ ہیں۔ ورنہ زیب النساء کو نہ ہمنے دیکھا ہے نہ آپ نے۔ ہاں تحقیق حالات میں عقل اور کوشش نے جہانتک مدد کی ہے وہاں تک ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس تالیف میں جمعیت کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے اور موجودہ سوانح سے اسے ہر طرح مرجح بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ واللہ المستعان علی ما تصفون۔

ابوالفخر
سیماب
صدیقی الوارثی اکبرآبادی

آگرہ
۴ مارچ سنہ ۱۹۲۰ع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوانح عمری زیب النسا

یہ شہرۂ آفاق خاتون ماہ شوال ۱۰۴۸ھ میں دل رس بانو دختر شاہ نواز خاں کے بطن سے پیدا ہوئی۔ اسکے پیدا ہونے سے محلات شاہی میں جشن ہونے لگے۔ زر و جواہر کے چشمے اُبل پڑے۔ مساکین اور غربا کو خیرات کی گئی۔ قلعۂ معلّٰی میں شادیانے بجنے لگے اور ہر طرف مسرت و انبساط کی بارش ہونے لگی جیسا کہ آجکل انگریزوں میں دستور ہے کہ بچّہ کو حقیقی ماں دودھ نہیں پلاتی کہ دودھ پلانے سے قوائے جسمانی میں ضعف محسوس ہونے لگتا ہے اسیطرح زمانۂ شاہی میں بھی دستور تھا۔ چنانچہ اسی دستور کے مطابق خدمت رضاعت میا بائی کے سپرد کیگئی اور بیبیوں پاکیزہ اور سلیقہ شعار لڑکیاں بھی بطور خادمہ مقرر کی گئیں۔ میا بائی نہایت عاقلہ اور فرزانہ تھیں۔ ان کا معمول تھا کہ صبح اوٹھکر مطالعہ قرآن مجید کرتیں تو زیب النسا کو پاس بٹھالیتیں

زیب النسا نہایت خاموشی اور متانت سے سنا کرتی میا بائی صوم و صلوٰۃ کی
نہایت پابند تھیں اور وردووظایف سے بھی دلچسپی رکھتی تھیں غرضکہ رضاعی
خدمت کے علاوہ زیب النسا کی روحانی خدمت بھی میا بائی کے ذریعہ سے باحسن الوجوہ
ہوسکی زیب النسا بیگم نے پانچویں برس میں قدم رکھا تو حافظ مریم ایک عفیفہ انکی
تعلیم قرآنی کے لئے مقرر کی گئیں یہ خاتون سردار عنایت اللہ خاں کی والدہ تھیں
جو ایک معزز عہدہ پر دربار شہنشاہ اورنگ زیب میں مامور تھے۔
حافظ مریم نے محنت کر کے زیب النسا کو دو برس اور تین مہینے میں قرآن شریف ختم
کرادیا اور سات آٹھ سال کی عمر میں حافظ بنا دیا۔ گو حافظ مریم کی محنت اور حُسن
درس کا ہمیں قائل ہونا پڑتا ہے تاہم زیب النسا کی قابلیت و ذہانت کی تعریف
کئے بغیر بھی ہم نہیں رہ سکتے۔ کہ بچہ اگر ذہین نہ ہو تو اوستاد کی تعلیم کیسی ہی محنت
و تراکیب کیسا تھہ کیوں نہ ہو کوئی اچھا اثر نہیں ڈال سکتی۔ بہر حال زیب النسا
نے اس کم عمری میں قرآن شریف کو حفظ کر لیا تو اورنگ زیب کو بیحد خوشی ہوئی
تمام افواج کی دعوت کی گئی۔ انعامات اور خلعتیں تقسیم ہوئیں اور تیس ہزار
اشرفیاں حافظ مریم کو خزانہ شاہی سے عطا ہوئیں۔
زیب النسا کو اتنا ہونہار اور تیز طبع دیکھہ کر بادشاہ نے چند معلموں کو مزید تعلیم
کے لئے مقرر کر دیا جنہیں سب عالم اور فاضل تھے۔ ان سب میں زیادہ بارسوخ
اور مقرب ملا سعید اشرف ماژندرانی تھے۔ جو ملا سعید تقی مجلسی کے نواسے تھے

یہ ایران سے جب ہندوستان میں آئے تو زیب النسا کی تعلیم کیلئے مقرر کردیئے
گئے علاوہ معلم ہونے کے آپ صفات شاعری سے بھی متصف تھے لیکن تذکروں
سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ مریم کے بعد ہی آپ مامور نہیں ہوگئے تھے بلکہ
ایک عرصہ تک مختلف معلمین و معلمات کی تعلیم سے زیب النسا مستفید ہوتی
رہیں اور اس کے بعد مُلا اشرف مقرر کئے گئے - ۱۲ سال کی عمر میں زیب النسا
زیور تعلیم سے بوجہ اکمل آراستہ ہو چکیں - ۲۱ سال کی عمر میں زیب النسا کی
جوانی شباب پر تھی - لیکن سلسلۂ تعلیم جاری رہا - اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ زمانۂ شاہی میں لڑکیاں اور لڑکوں کی تعلیم کی طرف بہت زیادہ توجہ
کیجاتی تھی اور لڑکیوں کا اُستاد کے سامنے آنا جانا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا -
زیب النسا نے ملا صاحب موصوف سے فارسی و عربی کتب کے علاوہ علم فقہ
علم حدیث اور علم ہیئت وغیرہ دوسرے علم حاصل کئے - علم ہیئت کیطرف
شاہزادی کا رجحان طبع نسبتاً زیادہ تھا اور وہ اکثر اپنی بوڑھی اُستانیوں کو
محو حیرت کردیا کرتی تھی - وہ سیدھی سادھی بیبیاں جو اس علم سے واقف
نہ تھیں جب زیب النسا کا تجربہ علم ہیئت میں دیکھتیں تو دنگ رہجاتی تھیں
وہ اجرام فلکی کی ماہیت و تشریح پر ایسی مدلل گفتگو کرتی تھی کہ عورتیں تعجب سے
اوسکا چہرہ دیکھنے لگتی تھیں - اگر علمائے ایران اسکی نوشت و خواند کی تہذیب
ترصیع کیلئے مقرر نہ کئے جاتے تو محض نسوانی تعلیم اسکی واقفیت میں چار چاند

لگنا لکھنے سے معذور رہتی۔ ملا اشرف چونکہ خود شاعر تھے اور بلکہ زیب النسا کو
فطرتاً شاعری سے دلچسپی تھی اسلئے بعد تکمیل ادب عربی زیب النسا کی طبیعت
شاعری کیطرف بھی خود بخود رجوع ہوگئی۔ عربی میں اسے یہانتک انہماک تھا
کہ پہلی نظم جو اوس نے لکھی عربی میں تھی یہ ایک قصیدہ تھا جو خدا کی حمد میں لکھا
گیا تھا۔ اتفاق کی بات کہ اوسی زمانہ میں مکہ معظمہ سے ایک عرب حاضر دربار
شاہی تھا۔ وہ قصیدہ اسکے پاس بھیجا گیا۔ یہ عرب ایک بہتیل ادیب تھا۔
نجدی النژاد ہونیکے علاوہ عربی اس کی مادری زبان تھی اور علم و فضل میں اوسکو
کافی دستگاہ حاصل تھی۔ جب یہ قصیدہ اُس کے سامنے پیش ہوا تو اوس نے
اوس پر یہ ریمارک دیا کہ لاجواب ہونے میں شک نہیں اسکا مصنف کوئی ہندی
نژاد ہے لیکن نہایت ذہین طباع ہے گو محاورات اور نشست الفاظ میں کہیں کہیں لغزش
ہوگئی ہے تاہم یہ قصیدہ اپنے مصنف کے علمی ادبی مذاق کا ثبوت دیتا ہے گو یہ ریمارک کچھ
بُرا نہ تھا تاہم زیب النسا نے عربی شاعری کو سلام کرلیا اور سمجھ لیا کہ جسکی جو زبان ہے اوسمیں
وہ سرسبز و کامیاب ہو سکتا ہے اور یہ سمجھکر اوس نے اپنی تمام شاعرانہ قوت اپنی مادری
زبان کیطرف منعطف کردی جسکا نتیجہ اوسکو خاطر خواہ ملا۔ اور وہ کامیاب ہوئی۔
عالمگیر اورنگزیب بادشاہ کو شاعری سے بالطبع نفرت تھی۔ نہ وہ شعر کہنا پسند
کرتا تھا اور نہ سنتا تھا۔ اوسکے دربار میں کوئی شاعر بھی نہ تھا اور جو شاعر پہلے دربار
شاہی میں ممتاز تھے وہ بھی اس کس مپرسی سے گھبرا کر رخصت ہو چکے تھے جو باقی تھے

اونکی شاعری پر مصلحت کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ اِس لئے گو زیب النسا ۱۳۔۱۴ برس کی عمر سے شعر کہنے لگی تھی لیکن باپ کے خوف سے ہمیشہ بند بند رہتی تھی۔ جو کہتی ایک بیاض پر لکھہ لیتی۔ اور بیاض کو چھپا لیتی کہ کہیں بادشاہ کی نظر نہ پڑہ جائے۔ ایک دن مُلا اشرف نے اُسکو دیکہہ لیا تو پوچھا کہ شاہزادی کیا یہ سب تمہارے اشعار ہیں۔ جواب ملا کہ ہاں کبھی کبھی کچھ کہہ لیتی ہوں شفیق اُستاد نے فرمایا کہ سبحان اللہ تم خوب کہہ لیتی ہو۔ اگر کوئی ہرج نہ ہو تو مجھے دکہا دیا کرو۔ اس حوصلہ افزائی نے زیب النسا کا دل اور زیادہ بڑہا دیا اور وہ اب سے اپنا کلام ملا اشرف کو بغرض اصلاح دکہانے لگی۔

زیب النسا کے مذاق شاعری نے شاعری کے قالبِ مردہ میں گویا از سر نو جان ڈالدی۔ جو شاعر موجود تھے وہ بھی کھل کھیلے اور خواہش کرنے لگے کہ کسیطرح ہمارا کلام شہزادی کی نظر سے گذرے اور ہمیں شرفِ قبولیت عطا ہو۔ اب تو شاعران موجودۃ الوقت کا دستور ہو گیا کہ اوہنیں اگر کوئی درخواست بھی کرنی ہوتی تو وہ نظم ہی میں کرتے کہ نظم میں نثر سے زیادہ اثر قبولیت ہے چنانچہ جب ملا اشرف کو یاد وطن نے گدگدایا تو یہ اشعار کہہ کر شہزادی کی خدمت میں پیش کئے ؎

یک بار از وطن نتواں بر گرفت دل	در غربتم اگرچہ فزون است اعتبار
پیش تو قرب و بُعد تفاوت نمی کند	گو خدمتِ حضور نہ باشد مرا شعار
نسبت چو باطنی است چہ دہلی چہ اصفہان	دل پیش تست من چہ بکابل چہ قندہار

اسیطرح نعمت خاں عالی جو زمانہ زیب النسا میں ایک بلند پایہ شاعر تھا ایکمرتبہ تہی دستی سے تنگ آگیا اور ایک مرصع کلغی جو دستار یا ٹوپی میں لگائی جاتی ہے بغرض فروخت زیب النسا کے پاس بھیجی۔ لیکن ایک عرصہ گذر گیا اور شہزادی کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا آخر بعد انتظار مزید نعمت خاں عالی نے یہ رباعی لکھی اور شہزادی کی خدمت میں بھیجدی ؎

اے بندگیت سعادت اختر من در خدمت تو عیاں شدہ جوہر من
گر جیغہ خرید نیست پس گو زر من ور نیست خریدنی بزن بر سر من

کلغی کے لئے "بزن بر سر من" کا فقرہ سنکر زیب النسا پھڑک گئی اور فوراً پانچہزار روپیہ نعمت خاں عالی کو بھجوا دیے۔

ایسا ہی ایک تذکرہ مجمع الغرائب میں بھی لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی خواص سے شہزادی نے اپنی بیاض منگوائی وہ جب دیوان خانہ سے لیکر چلی تو حوض کے کنارے سنگ مرمر کے فرش پر پاؤں پھسل گیا اور بیاض حوض میں جا پڑی خواص شہزادی کے عتاب سے ڈرتی ہوئی ملا اشرف کیخدمتمیں حاضر ہوئی اور سارا ماجرا سنا دیا۔ ملا صاحب نے یہ اشعار قلمبند کر دیے اور خواص سے کہا کہ اگر تم زبانی اظہار ماجرا سے ڈرتی ہو تو یہ نظم شہزادی کو دیدینا وہ تمسے پھر کچھ نہ کہیں گی وہ اشعار یہ تھے ؎

اے اوستادے کہ پشت فاضلان عصرا شستن مجموعہ اندیشہ با آب افتادہ است
در خم افلاطون نہ یا فلاطون نشست سر خوش بود ہیچو مخمورے کہ در فکر شراب افتادہ است

گاه گاهے گر ز بے آدابی بادِ صبا ‏ ‏ ‏ ‏ از گلِ روئے عرقناکِ نقاب افتاده است

آبِ حسرت در دهان اختران گردیده است ‏ ‏ ‏ ‏ آتشِ غیرت بجان آفتاب افتاده است

عرض حالے هست در خاطر که در اظهار آن ‏ ‏ ‏ ‏ بندبندم موج سان در اضطراب افتاده است

ذهن صافت تا علم گردید در دانشوری ‏ ‏ ‏ ‏ طبع افلاطون ز رشک در قعر آب افتاده است

آن بیاض خاصهٔ شاهی که در اطراف آن ‏ ‏ ‏ ‏ جائے افشان نقطه‌هائے انتخاب افتاده است

آن مرصع خوان گهر ریزی که در اطراف آن ‏ ‏ ‏ ‏ دُرِّ الفاظش بسے باآب و تاب افتاده است

دوشش از دست ارادت فهم حاکم در دهن ‏ ‏ ‏ ‏ چون بیاض سینهٔ ماهی در آب افتاده است

از همین از یاد معدن رفت در آبدار ‏ ‏ ‏ ‏ گوهر غلطان هم از چشم سحاب افتاده است

بحر شعر آبدارش تازه طوفان کرده است ‏ ‏ ‏ ‏ کشتیش در چار موج اضطراب افتاده است

گوئیا از سر بدر رفت است آب جدولش ‏ ‏ ‏ ‏ کین چنان گلزار آرائش خراب افتاده است

آه زین غم در دل پیر و جوان پیچیده است ‏ ‏ ‏ ‏ لرزه زین هیبت بجان شیخ و شاب افتاده است

بسکه می بندند هر یک بر گلوئے دیگرے ‏ ‏ ‏ ‏ گر بیاض گردنش خونند تاب افتاده است

من چه گویم کان چو مژگان خودش برگشت بخت ‏ ‏ ‏ ‏ در تب این غم چنان از خود بخواب افتاده است

زان نماند با صد پریشان حالی و آشفتگی ‏ ‏ ‏ ‏ همچو زلف خویشتن در پیچ و تاب افتاده است

زان رنگ آتشین چون شمع صبح از عارضش ‏ ‏ ‏ ‏ همچو نبض موج اندر اضطراب افتاده است

فیض بخشا زود تر پروانه بخشایشے ‏ ‏ ‏ ‏ کآتشے در دل چو شمع از التهاب افتاده است

ورنه خواهی دید یکدم اختر افلاک را ‏ ‏ ‏ ‏ از هجوم گریه‌اش یکسر خراب افتاده است

اس قطعہ کو سنکر زیب النسا نے اوس کا قصور معاف کر دیا۔ وقس علیٰ ہذا۔
غرضکہ زمانۂ زیب النسا میں شاعروں کی نہ سہی شاعری کی قدر ضرور ہو گئی
تھی اور بہت سے شعراء کا قصور محض قصائد سے معاف کر دیا جاتا تھا۔ محل شاہی
میں اورنگ زیب نے آزادی کو قدم بھی نہ رکھنے دیا تھا۔ بیگموں کو اور اہل محل کو اجازت
نہ تھی کہ وہ عام کتب کا مطالعہ کریں لیکن زیب النسا کو ہر طرح کی آزادی تھی وہ
دیوان حافظ بھی اوسی آزادی سے دیکھ لیتی تھی اور کوئی اوسکا مزاحم نہ تھا اکثر
علمی مباحث میں شہزادی کی بادشاہ سے گفتگو ہوتی تھی اور شہزادی کے عالمانہ
اور عاقلانہ جوابات بادشاہ کو متحیر کر دیتے تھے۔ وہ اسقدر عقلمند تھی کہ اسکا
کہنا اورنگ زیب سب سے زیادہ مانتا تھا۔ زیب النسا مذہبًا سنّی مسلمان تھی۔
اورنگ زیب کے زمانۂ عہد میں شیعہ اور سنیوں میں جو اختلافات ہوئے اونکا اعادہ
تحصیل حاصل ہے۔ لیکن یہ کہنا خلاف موقع نہ ہوگا کہ شیعوں اور سنیوں کا
جھگڑا جس نے اس زمانہ میں فیصل کیا وہ صرف زیب النسا تھی۔
عالمگیر کا منجھلا بیٹا محمد معظم شیعہ تھا۔ محل میں بہت سی بیگمیں سنّی بہت سی
شیعہ تھیں۔ ارکان سلطنت میں سے بھی بعض شیعہ تھے بعض سنّی۔ لیکن چونکہ
عالمگیر خود پکا سنّی تھا اسلئے شیعوں کا سنیوں پر کچھ اثر نہ تھا۔ محمد معظم بھی دبا
دبا رہتا اور جب اختلاف فرق کا موقع آتا تو اپنی حکمت عملی سے اوسکو بالکل
ٹالدیتا۔ آخر الامر اس جھگڑے کو ٹھکانے لگانے کیلئے شہزادی زیب النسا

منتخب کیگئیں۔ شہزادی نے ایسا نادر فیصلہ کیا کہ سب نے بلا اختلاف مان لیا
اور شیعہ سنی ہو گئے۔ ایران میں اوسکے فیصلہ کی نقلیں بھیجی گئیں وہاں سے شیعہ علمار نے
تردیدیں لکھکر بھیجیں لیکن زیب النسا کا فیصلہ قطعی اور اٹل تھا اسلئے کوئی اون تردیدوں
کو نہ مانا اور فیصلہ بحالہ قایم رہا۔ اس بات نے بھی عالمگیر کے دل پر بہت بڑا گہرا اثر
ڈالا اور وہ زیب النسا کی قابلیت کا اور بھی زیادہ معترف ہو گیا۔ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ میں
زیادہ کر دئیے اور نوازشات سے سرفراز فرمایا۔ زیب النسا ایک بہت بڑی ریفارمر تھی۔
اُسنے اکثر مراسم نسوانی کا انسداد کر دیا۔ طرز معاشرت میں جو نازیبا اور غیر موزوں باتیں
تھیں اون سب کو مٹا دیا۔ انگیا کرتی بھی اسی نے ایجاد کی۔

ایک ایسی لاڈلی اور چھیتی بیٹی جسپر باپ اپنی جان نثار کرتا تھا حوادث سے محفوظ
نہ رہی اور اورنگ زیب کے دام سیاست میں گرفتار ہو کر رہی۔ چنانچہ جب ۱۰۹۱ھ
میں راجپوتوں سے لڑائی ہوئی تو اورنگ زیب نے شہزادہ اکبر کو مقابلہ کیلئے بھیجا
شہزادہ جودھپور پہونچا مگر راجپوتوں نے اُسے فریب دیکر ملا لیا اور باپ سے منحرف
کر دیا۔ یہاں تک کہ اکبر شاہی لشکر کے مقابلہ پر بھی آمادہ ہو گیا۔ اس اثنار میں
شہزادی زیب النسا سے برابر خط و کتابت جاری رہی۔ گو خط و کتابت
معمولی تھی اور وہ حقیقی بھائی بہنوں میں تھی تاہم اورنگ زیب کے پر پیچ
دور حکومت میں ان کی اچھی طرح باز پرس کی گئی۔ حکام وقت نے خطوط
پر حاشیئے چڑھائے۔ زیب النسا پر عتاب شاہی نازل ہوا۔ چار لاکھ روپیہ

سالانہ جو اسکو ملا کرتے تھے بند ہو گئے سامان و اسباب ضبط کر لئے گئے اور شہزادی قلعہ سلیم گڈھ میں نظر بند کر دی گئی۔ میعاد نظر بندی ایک سال سے زیادہ تھی اِس لئے کہ ۱۶۸۱ء میں جب حمید بانو بیگم والدۂ روح اللہ خاں نے انتقال کیا۔ تو زیب النسا بیگم تعزیت ادا کرنے گئی تھی اور اسی سن میں شہزادہ کام بخش کی شادی بھی ہوئی تھی اور تمام رسوم شادی زیب النسا کے محل میں ادا ہوئی تھیں۔ بحالت نظر بندی جو اشعار زیب النسا نے کہے تھے وہ یہ ہیں۔

دردا کہ ز قید ستم آزاد نہ گشتم	یک لحظہ ز غم ہائے جہاں شاد نہ گشتم
گرچہ پا ز نجیر مخفی زدستہ دیوار غم	شکر اللہ کز جفائے ہمگناں آسودہ ام
دل من اسیر مخفی بہ بلائے ہجر تا کے	کہ بجز ہوائے وصلت گنہ دگر ندارم
مخفی امید رہائی تا بروز حشر نیست	خاک غربت ہر کرا در مہد دامنگیر شد
تا مرا ز نجیر در پائے دل دیوانہ شد	دوست شد دشمن مرا ہر آشنا بیگانہ شد

شہزادی زیب النسا دراز قد، متوسط القدام، جسم نازک اور سڈول، آفتابی چہرہ، صبیح الخدار، خوش چشم دراز مو، چھوٹے دانت والی، نازک اندام و شیریں لب تھی اوسکے دونوں رخساروں پر دو سیاہ تل تھے۔ جو اُسکے حسن میں چار چاند لگا ئے ہوئے تھے، شہزادی نہایت سادگی پسند تھی اُس کا لباس سفید تھا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اوس نے اپنی عمر میں کبھی ریشمی اور رنگین لباس پہنا ہو

اوسے اسقدر سادگی پسند تھی کہ اوسکے دانت اور اوسکی آنکھیں مسی اور سرمہ سے
بھی آشنا نہ تھے حالانکہ وہ شہنشاہ اورنگزیب کی بیٹی اور چہیتی دختر تھی
زیوروں میں صرف موتیوں کی مالا پہنا کرتی تھی لیکن آجکل کی عورتوں کیطرح
زیوریں لدنا پسند نہ کرتی تھی۔ اوس کی خواصیں اور سہیلیاں نہایت باتکلف
لباس سے آراستہ وپیراستہ رہتی تھیں اور وہ اون کو دیکھ کر خوش ہوتی تھی
لیکن کبھی اپنی تقلید کے لئے مجبور نہ کرتی۔ وہ کانوں میں صرف جڑاؤ کرن پھول
پھنتی تھی۔ اور ہاتھ پاؤں میں سونا چاندی اوسے بھلا معلوم نہ ہوتا تھا یہ ہم
پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ زیب النسا سُنّی مسلمان تھی۔ گو محلات شاہی اور دربار
میں شیعیت کا رنگ بہت گہرا چڑھا ہوا تھا تاہم اوس کی آزاد طبعی نے جس
مذہب کیطرف رُخ کیا اُدھر ہی جھک گئی۔ ایک آدھ مرتبہ مجلس عزا کا منعقد
کرانا اوس کے سُنی ہونے کو غلط ثابت نہیں کر سکتا۔ وہ شاہ میاںؒ میر صاحب
ایک سُنّی المذہب درویش صفا کیش کی مُرید بھی ہو گئی تھی۔ ان شاہ صاحب کا
مزار چھاؤنی لاہور میں واقع ہے اور اُس مقام کو ابتک میاں میر ہی کہتے ہیں
گو زیب النسا سادگی پسند اور سادہ مزاج تھی تاہم تنک مزاج اور مُردہ دل
نہیں نفاست کی وہ بیحد دلدادہ تھی۔ اسکا دربار نہایت باتکلف اور عظیم الشان ہوتا
تھا۔ اوسکا مطبخ کثیر السامان تھا۔ سردار عنایت اللہ خاں داروغہ مطبخ تھے اسکی
طبیعت ایجاد و اختراع کو بھی بہت پسند کرتی تھی۔ چنانچہ او[illegible] ۱۱۰۲ھ میں

ایک ابرک کا خیمہ بنایا تھا۔ جو نہایت وسیع اور خوشنما تھا۔ نعمت خاں عالی نے اوسکا قطعۂ تاریخ کہہ کر پیش کیا تھا جو حسب ذیل ہے ۵

ازاں خرگاہ طاقش چشم بد دور | کہ شد از جلوہ اش نوراً علی نور
تعالی اللہ چہ روشن بارگاہے | کدورت را دریں جانیست راہے
ز نورش گشت خیرہ چشم کوکب | نگینہ خانہ زادش ماہ نخشب
فروغش گر چنیں دارد جہاں تاب | کسے شب را نہ خواہد دید در خواب
چو عاجز گشت نطقم از ثنایش | شدم جویائے تاریخ بنایش
پئے تاریخ آں گفتہ زمانہ | بر د زنگ دلم۔ آئینہ خانہ

زیب النسا نہایت خلیق، ملنسار، سلیم الطبع اور ہنس مکھ تھی اُسے کسی نے چین بجبیں نہ دیکھا۔ غصہ اوس کی جبین ناز کو پر پیچ کرنے سے معذور رہتا تھا کشمیر میں ایک چشمہ بھی شہزادی نے بنوایا تھا اور وہاں کچھ باغ لگوا دیئے تھے زیب النسا نہایت علم دوست اور عالم پرور شہزادی تھی اس نے بڑے بڑے علما و فضلا کو جمع کر کے صیغہ تصنیف و تالیف کھول رکھا تھا اس صیغہ میں بیشتر کتب تالیف و تصنیف ہو کر نکلتی تھیں۔ تفسیر کبیر کا فارسی ترجمہ بھی اسی کے زمانہ میں ہوا۔ شہزادی نے زیب المنشات نامی ایک کتاب فن انشا پردازی میں خود بھی لکھی۔ ایک کتب خانہ بھی اس کے عہد میں کھولا گیا تھا جسمیں قیمتی کتب کا ذخیرہ موجود تھا۔ ایک دیوان بزبان فارسی شہزادی کی تصنیف سے ہے

جو آب بھی دستیاب ہوتا ہے۔ بعض لوگ اسے مخفی کسبی کا دیوان بتاتے
ہیں جو محمد شاہ بادشاہ دہلی کی کسبی تھی۔ اس لڑکی کے ماں باپ فرنگستان
سے آکر سورت میں آباد ہو گئے تھے۔ لباس اسکا بھی مغربی طرز کا تھا۔
اس کے والدین سامان تجارت لیکر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے تو اُسنے
اپنے حسن و جمال کی وجہ سے چاہا کہ میں محمد شاہ کے محلوں میں داخل ہو جاؤں
محمد شاہ تو رنگیلے تھے ہی اس کی صباحت آفریں صورت اور مست
آنکھیں دیکھکر قابو سے باہر ہو گئے اور اسے اپنا دلربا بنا لیا اور حرم میں داخل
کر لیا۔ اس کی نقاب پوشی نے اس کا نام مخفی رکھوا دیا۔ چند ہی روز میں اسے
زبان فارسی میں کافی مہارت ہو گئی۔ کچھ شعر بھی کہنے لگی۔ اکثر ساقی گری کیا
کرتی تھی بعض کہتے ہیں کہ دیوان ایک ایرانی شاعر معروف بہ رشتی کا ہے
چنانچہ دیوان مخفی جو مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپا ہے اس کے آخر کی عبارت سے
بھی یہی معلوم ہوتا ہے لیکن اور اگر حقیقت میں غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا
ہے کہ یہ دیوان مروجہ اسی زیب النسا مخفی کا ہے جو شہنشاہ اورنگزیب کی
لاڈلی بیٹی تھی اور جس کے معنی خیز لطائف سے بیشتر صحائف لبریز و مملو ہیں
اس زمانہ میں ایرانی شعرا اچھی تعداد میں دہلی آچکے تھے، شعر و شاعری کا بازار
گرم رہتا تھا۔ پھر اسکی استعداد علمی کچھ کم نہ تھی بڑے بڑے ادبا سے تعلیم
حاصل کی تھی اور استفادہ حاصل کیا تھا طبیعت میں مشق سخن کی لہریں جزن

تھیں - ذہانت وفطنت طبیعت اور واقفیت میں خداداد حصہ پایا تھا -
رہی شوخی، نفاست اور نازک خیالی تو یہ عورتوں کا فطری حصہ ہے پس
کیا معنی ایک ایسی شاعرہ اور لائقہ کے متعلق یہ غلط فہمی روا رکھی ہے
زیب النسا کے واقعات زندگی لکھتے وقت بڑا ظلم ہوگا اگر ہم اوس کے وہ
لطائف نہ دلکھیں گے جو فرداً فرداً خود ہی اوس کے علم کی شرح اور لیاقت
کی تفسیر ہیں - ان کے پڑھنے سے اور ان پر غور کرنے سے صاف واضح
ہوتا ہے کہ زیب النسا کوئی معمولی استعداد عورت نہ تھی بلکہ فطرت نے
ہمہ دانی یا بذلہ سنجی اور شوخی و نازک خیالی کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی - ان
شاعرانہ نکات و لطائف میں جو خوبصورتی سے انتظام الفاظ کیا گیا ہے
اور محل کا خیال رکھا گیا ہے وہ شہزادی زیب النسا کا حصہ تہا -
ایک دن کوئی بازیگر دربار شاہی میں اپنے کھیل دکھا رہا تھا - درباری موجود
تھے - پردہ کی آڑ میں محل کی بیگمیں بھی مصروف تماشا تھیں جب بازیگر
اپنے کرتب دکھا چکا تو اوس کی حسین بیوی بھی اپنے ہنر دکھانے کو میدان
میں آئی - یہ عورت ایک بانس پر چڑھ کر قلابازیاں کھانے لگی - حاضرین
بہت خوش ہوئے - حاضرین میں سے کسی نے اسی وقت یہ مطلع پڑھا ؎

این لعبت بوالعجب چہ ہا ہے پیدا است
یا تازہ گلے بر سرِ شاخ رعناست

شہزادی زیب النسا نے جو پس چلمن بیٹھی تھی ایک شعر اس کے جواب میں لکھکر فوراً کسی کنیز کے ہاتھ باہر بھجوا دیا جسے دیکھکر سب شاعر آفریں و مرحبا کہنے لگے وہ شعر یہ تھا ؎

نے نے غلط است کا آفتاب محشر بر نیزہ برآمد و قیامت برپاست

خیال کیجئے جو عورت اپنے مطالب کو حسن استعارہ اور خوبی تشبیہ سے اس درجہ آراستہ بنا کر ظاہر کر سکے کیا اوس کے شاعر ہونے میں کلام ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ دہلی میں مشاعرہ ہوا۔ جس کی طرح یہ تھی "در ابلق کسے کم دیدہ موجود" اس پر شہزادی صاحبہ نے مصرع لگایا ع

مگر اشک بتان سرمہ آلود

نقل ہی کہ۔ ایک دن موسم بہار میں زیب النسا مصروف سیر چمن تھی صبح کا سہانا وقت تھا۔ جب چشمۂ آب کے کنارہ پہونچی تو اس منظر کی مجموعی حالت نے اسے اور بھی زیادہ مست بیخود بنا دیا اور اسکی زبان سے بیساختہ نکل گیا ؎

چہار چیز ز دل برد کدام چہار

شراب و سبزہ و آب روان و روئے نگار

اتفاق کی بات کہ اورنگ زیب بھی اودہر آ نکلے۔ پوچھا کہ بیٹی کیا شعر پڑھ رہی ہو۔ عرض کیا کہ قبلہ و کعبہ میں یہ پڑھ رہی تھی ؎

چہار چیز ز دل غم برد کدام چہار نماز و روزہ و تسبیح و توبہ استغفار

بادشاہ یہ سن کر خوش ہو گئے۔

ناصر علی سرہندی، مرزا محمد علی صائب، ملا ہر غنی، عاقل خاں رازی، بہروز، نعمت خاں عالی وغیرہ خوش گو اور نکتہ سنج شعرا شہزادی زیب النسا کے معاصرین میں سے تھے۔ ناصر علی اور عاقل خاں سے اکثر چھیڑ چھاڑ بھی ہو لی رہتی تھی۔ ناصر علی۔ علی تخلص کرتے تھے شاعری ان کی موروثی تھی، مزاج میں ذرا خود پسندی داخل نہ تھی۔ بھوکے سو رہنا منظور تھا لیکن امرا کی خوشامد پسند نہ تھی۔ امرا تمنائیں کرتے تھے کہ ناصر علی کسیطرح ہمارے پاس آئیں اور ہم ان کے کلام سے لطف اوٹھائیں۔ نواب ذوالفقار خاں کی خدمت میں گو مرزا محمد علی صائب موجود تھے پھر بھی وہ ناصر علی سرہندی کے بہت زیادہ مشتاق رہتے تھے ایک بار برہمن تخلص کسی شاعر سے کہا کہ اگر ناصر علی کو کسیطرح ہمارے پاس لے آؤ تو بڑی بات ہے۔ جناب برہمن وعدہ کرکے ناصر علی کے گھر آئے دیکھا کہ ایک بے نیاز اور بے پروا شخص ہے جسکی باتوں سے خوشامد کی بو بھی نہیں آتی کہنے لگے کہ میں نے آپ کے کلام کی بڑی تعریف سنی ہے۔ کچھ سنائیے۔ ناصر علی نے سنایا۔ بعد دعوت طعام برہمن اصلی مطلب پر آگئے اور نواب ذوالفقار خاں کے پاس لے چلنے پر اصرار کیا۔ یہ کہنے لگے کہ میں درویش منش فقیر دوست شخص ہوں مجھے ایسے امرا سے کیا کام ہے۔ لیکن حضرت برہمن نے ایسے آڑے ہاتھوں لیا کہ ناصر علی برہمن کے ہمراہ نواب صاحب

کے دربار میں چلنے کو آمادہ ہوگئے۔ چلے اور پہونچے، پہونچے تو نواب صاحب بہت خوش ہوئے بے تکلف کیساتھ بٹھایا۔ بیٹھے ہی تھے کہ گھر میں سے لڑکی کے انتقال کی خبر آگئی اور نواب صاحب کو اٹھکر اندر جانا پڑا۔ وہ اندر گئے یہ موقع کو غنیمت سمجھکر وہاں سے نو دو ہو گئے۔ نواب صاحب ناصر علی کی تنک مزاجی سے واقف تھے فوراً جناب برہمن کو دوڑایا کہ جائیں اور اور نہیں منا کر لائیں وہ کہیں برخاستہ خاطر نہ ہو جائیں۔ حضرت برہمن دوڑے دیکھا تو واقعی میر صاحب چیں بجبیں ہیں اور نواب صاحب کی ہجو لکھی جا رہی ہے۔ جناب برہمن بھی تھے چلتے پرزے، کہنے لگے چہ خوش علی وہجو ذو الفقار۔ ناصر علی کو یہ بات بہت پسند آئی اور کہنے لگے کہ بھائی جو مانگو سو پاؤ لیکن میری حیثیت دیکھ کر مانگنا۔ برہمن نے کہا کہ مجھے کچھ درکار نہیں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس ہجو کو مدح سے بدل دیں اور نواب صاحب کے پاس پھر تشریف لیچلیں۔ میر صاحب وعدہ کر چکے تھے مجبور ہوئے ایک مدحیہ قطعہ نواب صاحب کی شان میں کہہ دوبارہ جا پہونچے نواب صاحب قطعہ کو سنکر نہایت درجہ شاد ہوئے اور ناصر علی کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔ قطعہ مدحیہ یہ ہے ؎

اے شانِ حیدری ز جبینِ تو آشکار	نامِ تو در نبرد کند کارِ ذو الفقار
دشمن کشی جہانئی و یکدست پروری	فتح و ظفر ز بخت تو ہستند در قطار

تسخیر دوستانِ الٰہی نمودہ — اے بہارِ خلق تو بر بوئے گل سوا
مرغِ دلم بہ نیم نگہہ صید کردہ — اے طائران عرش خدنگ ترا شکا
تریم کہ در زبونئے فرقت جنوں شود — آں دل کہ بردہ زیر من بن سپا

ناصر علی تر از تو خواہد مراد بس
اے بر فیض بر ہمہ عالم گہر بیار

یہ وہی ناصر علی تھے جن کے کلام اور خود داری کی خبر زیب النسا کے
کانوں تک بھی پہنچی - اہل کمال کی عزت اس کے دلمیں بہت زیادہ تھی
لیکن ملنا کیونکر گوارا کرتی - ناصر علی خود بھی چاہتے تھے کہ اگر زیب النسا کا
کسی طرح میری رسائی ہو جائے تو قسمت جاگ اٹھے ابیقدری سخن کا رو
نہ رہے اتفاقاً ایک دن ناصر علی زیر قلعہ ہو کر گذر رہے تھے اور زیب النسا
محل خانہ پر بلباس سرخ صرف خرام تھی کہ ان کی نظر جا پڑی - چلا کر بیتابانہ کہنے
سرخ پوشے بہ لب بام نظر مے آید — نہ بزور و نہ بزاری نہ بزر مے آید
زیب النسا نے دیکھا، تو پہچانا کہ ہو نہ ہو ناصر علی سرہندی یہی ہیں اس کے
جواب میں ایک شعر لکھ کر بھجوا دیا وہ یہ ہے ؎

ناصر علی بنام علیؓ بردہ پناہ — ورنہ بہ ذوالفقار علیؓ سر بریدہ مے

عاقل خاں رازی کے متعلق ایک بہت بڑا افسانہ اکثر تاریخوں میں نظر
گذرا ہے - گویا لا استیعاب نگاہ تنقید ڈالنے سے اوسمیں کسی پہلو سے صدا

نظر نہیں آتا تاہم "نقل کفر کفر نباشد" پر عمل کر کے ہم اُسے بجنسہٖ لکھے دیتے ہیں۔ یہ غلط ہے کہ یہ واقعہ صرف چند انگریز مورخین نے ہی لکھا ہے بلکہ اکثر فارسی تذکروں میں بھی دیکھا گیا ہے۔ اس کے متعلق ہم اپنی رائے کو سر دست محفوظ رکھتے ہیں۔

عاقل خاں رازی لاہور میں بعہدہ ناظم مامور تھا۔ گو شاعری میں اسے کمال حاصل تھا لیکن دہلی لاہور سے قریب نہ تھی، مشاعروں کی خبریں اسکے کانوں میں آتیں اور یہ تڑپ تڑپ کر رہجاتا۔ سوء اتفاق سے ۱۰۷۳ھ میں اورنگ زیب کی طبیعت کچھ علیل ہو گئی اطبا نے رائے دی کہ کچھ دن کیلئے حضور لاہور تشریف لیجائیں۔ چنانچہ شاہی خیمے جانب لاہور روانہ ہو گئے اور بادشاہ نے بھی ایک مختصر رسالہ کی معیت میں لاہور کوچ فرمایا جب یہاں کی آب و ہوا راس آئی تو میعاد قیام کو بادشاہ نے اور بڑھا دیا اور شاہی بیگمات کو بھی یہیں بلا لیا جن کے ہمراہ دہلی سے زیب النسا بھی آئیں زیب النسا کے لاہور میں پہونچتے ہی شعر و شاعری کا بازار گرم ہو گیا۔

عاقل خاں کے باغ اُمید میں گویا بہار آ گئی۔ زیب النسا لاہور آئی تو شعر و سخن کے چرچے کو اپنے ہمراہ لائی۔ مشاعرہ ہونے لگے۔ شعرا داد سخن لینے دینے لگے عاقل خاں رازی اِن دنوں بعہدہٴ گورنر لاہور میں مقرر تھا خوش ہو گیا اور چاہا کہ کسیطرح دربار زیب النسا تک رسائی ہو جائے تو گوہر مقصود

ہاتھ آئے۔ عاقل خاں ایک وجیہ الشمائل اور حسین شخص تھا زیب النسا کے
حالات سے واقف تھا۔ لاہور میں پہنچکر دونوں طرف اشتیاق دیدار پیدا ہوگیا
زیب النسا ایک متشرع اور سخت گیر باپ کی بیٹی تھی۔ پردہ کی پابند قواعد
وضوابط کی نگاہدار وہ بہت چاہتی تھی کہ عاقل خاں کے کلام سے حظ اٹھائے
لیکن اوسے اوسکا کوئی موقع نہیں ملتا تھا شہنشاہ اورنگ زیب کی طبیعت
جو اصلاح پذیر ہوتی جاتی تھی اس لئے مدت قیام کو بھی وسیع کر دیا گیا۔ اس
وسعت کی خبر پاکر شہزادی زیب النسا نے ایک باغ کی بنیاد ڈالوادی
اسکے کچھ منہدم سے نشانات ابتک پرانی انارکلی کے آگے باقی ہیں۔
اس تعمیر کی وجہ سے شہزادی اکثر اسی باغ میں رہتی تھی۔ خواصیں ہمرکاب
اور سہیلیاں ہم جلیس رہتی تھیں۔ عاقل خاں کو جو خبر ہوئی تو تدبیریں سوچنے
لگے کہ کسیطرح حاضر ہوکر اپنی صورت اور طبیعت کا کمال دکھاؤں جب کچھ
بس نہ چلا اور کوئی تدبیر اچھی نظر نہ آئی تو مجبوراً اپنا ذاتی لباس علیحدہ کرکے
مزدوروں کے پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور جسم پر خاک مٹی ملکر زیب النسا کے
سامنے جا ہی پہنچے۔ شہزادی شطرنج کھیل رہی تھی۔ کہ یکایک اسکی نگاہ
اسکی نظر سے چار ہوئی۔ نگاہوں نے پیام محبت دیا۔ عاقل خاں تیر نظر کا
شکار ہوکر بیتاب ہوگیا اور بیساختہ کہنے لگا ؎

من در طلبت گرد جہاں میگردم

زیب النسا صورت سے عاقل خاں کو پہچان گئی اور فوراً اسی نیچی گردن اور شرمیلی ادا سے جواب دیا کہ ع

گر باد شوی بر سر زلفم نہ رسی

اور یہ کہہ کر بدستور کھیلنے لگی۔ عاقل خاں یہ جواب پاکر کچھ شرمندہ سے ہوئے اور نظر بچا کر وہاں سے کھسک آئے شدہ شدہ عاقل خاں اور زیب النسا میں نامہ و پیام بھی ہونے لگے اور آگاہان راز کے حلقوں میں قسم قسم کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ ایک خواص جو آشنائے راز تھی زیب النسا سے کسی بات پر بگڑ گئی اور شہنشاہ اورنگ زیب کے جا ملی اور زیب النسا و عاقل خاں کے تمام حالات من و عن کہہ سنائے۔ بادشاہ بھی کون اورنگ زیب مارے غصہ کے لال ہو گیا۔ چہرہ غیظ و غضب میں تمتمانے لگا۔ دہلی تو پہنچ ہی چکا تھا اور زیب النسا محض تعمیر باغ کی وجہ سے ہنوز لاہور میں مقیم تھی فوراً حکم دیا کہ زیب النسا فوراً دہلی چلی آئے۔ حکم کی دیر تھی زیب النسا دوروز میں دہلی جا پہنچی۔ چونکہ اورنگ زیب ایک سلیم الطبع اور متین المزاج بادشاہ تھا اوس نے بجائے اسکے کہ زیب النسا کو سزا دیکر اس معاملہ کی تشہیر کرے ایکدن زیب النسا کو علیحدہ بلا کر دریافت کیا کہ اب تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں تم اگر اس بارہ میں کچھ کہنا چاہتی ہو تو کہو۔ زیب النسا نہایت ادب کیساتھ سر جھکا کر شرما کر بولی کہ جہاں پناہ خاکسار کو دو دل رکھنی کسیطرح گوارا نہیں جیسی

حضور کی مرضی ہو کریں۔ لیکن چونکہ مجھے پہلے سے ہر معاملہ میں حضور نے
کافی آزادی دیدی ہے اسلئے میری تمنا یہ ہے کہ اگر میری ایک رائے
پسند خاطر ہو تو عرض کروں اورنگ زیب بولا کہ ہاں تمہیں اظہار مطلب کیلئے
آزادی ہے تم اپنی رائے نہایت آزادی کے ساتھ دیسکتی ہو۔ زیب النساء نے
اوسی متانت اور حجاب آلود لہجہ کیساتھ کہا کہ حضور میری شادی کے متعلق
اعلان عام کر دیں اور اُمراء و شہزادگان مشتاق کی تصاویر معہ درخواست
منگوالیں تو بہت مناسب و موزوں ہو۔ اعلان میں اسکی تشریح کردیجائے
کہ یہ تصاویر شہزادی زیب النساء خود دیکھیں گی۔ شہنشاہ نے اس مشورہ کو
بلا تردید مان لیا اور ایک اعلان عام کر دیا اور دور دور اسکی کاپیاں بھجوا دیں
یہ اعلان ایران و توران غرضکہ سب جگہ پہنچا تو بھلا عاقل خاں کو اسکی خبر
کیونکر نہ ہوتی خبر ہوتی اور یہ حضرت سمجھے کہ یہ سب چالیں ہمارے ہی لئے
کی گئی ہیں فوراً ایک درخواست معہ تصویر دہلی بھیجدی اور بھی ہزاروں تصویریں
پہونچیں لیکن شہزادی نے اوسی ایک تصویر کو منتخب کیا۔ شہنشاہ کو بلا تامل یہ
انتخاب بھی پسند آگیا اور عاقل خاں کے نام یہ فرمان بھیجا گیا کہ چونکہ شہزادی
زیب النساء نے اپنے لئے تمہیں منتخب کیا ہے اس لئے تمہیں لکھا جاتا ہے
کہ تم فوراً دہلی روانہ ہو جاؤ اور اس تزویج کو اپنے لئے باعث فخر و مسرت
سمجھو۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں عاقل خاں اس خبر کو سنکر جامہ میں پھولے

نہ سماتے اور فوراً ہی سفر کا سامان کر دیا۔ لیکن تقدیر کی سازش سے بیخبر تھے کہ
وہ الگ کھڑی ہوئی ہنس رہی ہے۔ جب اکثر امرا وزرا کو معلوم ہوا کہ عاقل خاں
کی تصویر و درخواست زیب النساء نے قبول کر لی ہے تو وہ درپردہ عاقل خاں
کے دشمن ہو گئے اور سوچنے لگے کہ کسی طرح یہ نسبت نہ ہونے پائے تو بہتر ہے
اسی تدبیر اور خیال کی تکمیل کیلئے اونھوں نے فوراً عاقل خاں کو ایک خط لکھا
کہ میاں تم اتنے بڑے عقلمند ہو کر بادشاہ کے فریب میں آ گئے یہاں شادی
وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے یہ سب تمہاری بربادی کے سامان ہیں جسے تم شادی
متصور کر رہے ہو۔ تمہارے پوشیدہ مراسم کی خبر ہو گئی ہے۔ اسلئے
جہانتک ممکن ہو دہلی سے دور رہو اور یہاں آنے کا قصد ہرگز نہ کرو۔
عاقل خاں کے پاس جب ایسے متواتر خطوط پہونچے تو عقل گم ہو گئی ہستی
بھول گئے اور ایسے گھبرائے کہ فوراً ہی شادی کے لئے استعفا لکھ بھیجا اور
اوس کے ساتھ ہی اپنی ملازمت کو بھی استعفا دیدیا اور لکھ دیا کہ ؎

نہیں ہوتی ہے بندہ سے طاعت زیادہ
بس اب خانہ آباد دولت زیادہ

جب عاقل خاں نے صاف جواب دیدیا تو زیب النساء کے دل پر ایک خاص
قسم کا صدمہ پہنچا اور اوسنے عہد کر لیا کہ اب میں کسی سے شادی نہ کرونگی لیکن محض
عاقل خاں کے جواب صاف دینے سے آئندہ شادی کے متعلق انکار

کر دینا خلاف مصلحت تھا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں شہزادہ فرخ کی درخواست و تصویر بھی ایران سے آئی اور شہنشاہ نے بغرض انتخاب اسے زیب النسا کے پاس بھیجدیا۔ شہزادی نے اس خیال سے کہ کہیں عاقل خان کی محبت کا راز فاش نہ ہو جائے تصویر و درخواست دیکھ کر کہلا بھیجا کہ میں ان کی عادت و سکنات کا معائنہ بچشم خود کرنا چاہتی ہوں۔ اگر انہیں یہاں بلا لیا جائے تو بہتر ہو یہاں سے درخواست پر یہی الفاظ ثبت کر دیئے گئے۔
شہزادہ فرخ تزک و احتشام کے ساتھ دہلی پہونچے شاہی مراسم استقبال ادا کئے گئے اور زیب النسا کے محل کے ایک گوشہ میں اتارے گئے۔ شاہی مہمان نوازی اور دعوت کا انتظام کیا گیا جب شاہی دعوت سے فراغت پائی تو زیب النسا نے دعوت کی۔ دعوت نہایت تزک و احتشام سے کی گئی۔ بالتکلف مختلف الاقسام کے کھانے پکائے گئے۔ پھولوں کی مسہریاں بچھائی گئیں اور جس ہال میں دعوت کا انتظام تھا اس کو عطر و بخور اور طرح طرح معطر و معنبر اشیاء سے مہکا دیا گیا تھا اور قیمتی الوان بیبا (؟) ان میں تھے۔ غرضکہ انتظام دعوت نہایت شاندار اور اپنی نوعیت میں یگانۂ روزگار تھا۔
بعد مغرب شہزادہ فرخ تشریف لائے۔ شہزادہ ایک نہایت دبدبہ اور شوکت کا آدمی تھا۔ صورت نہایت خوش رنگ اور تنومند تھی۔ آنکھیں گو کسیقدر چھوٹی اور بھوری تھیں تاہم اس میں ایک خاص شوخی تھی۔ پیشانی نہایت کشادہ تھی

جسپر برابر تین تل تھے۔ پوشاک امیرانہ تھی۔ جواہرات سے تمام پیکر تصویر
زرین بنا ہوا تھا۔ عمر اس کی تیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ غرضکہ یہ شہزادہ
اپنی ہزاروں امیدیں دل میں باندھے ہوئے عالم تمنا میں جھومتا مسند پر آبیٹھا۔
زیبائش مکان نے آنکھیں کھولدیں۔ امتحان و جنع کا خیال بار بار دل کو
گدگداتا تھا۔ مسند سے ذرا دور چلمن کی آڑ میں زیب النساء رونق افروز تھی۔ اور
شہزادہ کی ذرا ذرا سی بات کو بچشم خود دیکھ رہی تھی۔ پہلے تو پر تکلف دسترخوان
میں شہزادہ کے سامنے کھانے چنے گئے۔ جنکی خوشبو سے دماغ نافہ آہو بنگیا۔ سیکڑوں
قسم کے کھانے بیسیوں قسم کے پلاؤ۔ زردے، قورما، مچھلیاں، دوپیازہ،
وغیرہ مہمان کے سامنے لاکر رکھے گئے اور شہزادہ نے ہاتھ بڑھایا۔ کچھ کھایا
پیا کہ مذاق کی سوجھی اور زبان فرخ سے نکلا کہ "سنبوسہ بیسن بدہ" یہ فقرہ
ذومعنی تھا جس سے ایک مطلب تو یہ تھا کہ شہزادے نے سنبوسہ (سموسہ)
طلب کیا تھا لیکن دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ سنبوسہ بے سن یعنی بغیر سن کا سنبوسہ
مانگا گیا تھا اور سنبوسہ میں سے اگر لفظ سن نکال ڈالے تو بوسہ رہ گیا۔
اس سے درپردہ فرخ نے ایک نہایت بیہودہ سوال کیا۔ لیکن وہ یہ نہ سمجھا تھا کہ
یہاں ایسے معمولی فقیروں کی دال نہیں گلتی اور [illegible] سے زیادہ
زیادہ بذلہ سنجی موجود ہے۔ اوس کی زبان سے یہ فقرہ نکلا ہی تھا کہ زیب النساء
پردہ کی آڑ سے فوراً جواب دیا "مطبخ ما دو طلب"۔ جواب میں بھی وہی پہلو نکلتا تھا

ایک نداقی دوسرا جوابی۔ جب فرخ کی عادات واقوال کے متعلق زیب النسا کے خیالات اِس فقرہ سے بدل گئے تو وہ اُٹھ بیٹھی اور اندر چلی گئی۔ شہزادہ فرخ اس جواب سے اسقدر دل برداشتہ ہوا کہ کچھ کہا یا کچھ نہ کہا یا اور شرمندہ ہو کر جلد تر رخصت حاصل کر کے واپس ایران چلا گیا۔

اِسی شہزادہ فرخ نے یہ مطلع لکھ کر زیب النسا کے پاس بھیجا تھا۔

ترا اے مہ جبیں بے پردہ دیدن آرزو دارم
جمالت ہائے حسنت را رسیدن آرزو دارم

اسکا جواب شہزادی زیب النسا نے یہ لکھ کر واپس بھیجدیا۔

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا
بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا
در سخن پنہاں شدم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

فرخ کی مایوسی کے بعد زیب النسا نے سلسلہ انتخاب کو بھی مسدود کر دیا اور شادی سے کچھ تنفر سی ہو گئی بعض ہم جلیس سہیلیاں اکثر اثنائے گفتگو میں شہزادی کو ٹٹولا کرتی تھیں لیکن وہ یہ کہہ کر اونکو ٹال دیتی تھی کہ دنیا ہیچ ہے یہاں کی خوشیاں فانی ہیں دو دن کے لئے دنیا کے لذائذ میں گرفتار ہو کر ابدی اور لازوال خوشی کو جو حفظ نفس سے حاصل ہوتی ہے کیوں برباد کر دوں۔

غرضکہ پھر زیب النسا نے شادی تمام عمر نہ کی۔ اسُ کی نسبت ایک مرتبہ

سلیمان شکوہ پسر دارا شکوہ سے بھی ہوئی تھی اور زیب النسا کو کچھ اس سے بھی انسیت سی ہوگئی تھی لیکن شہزادہ پولیٹکل پیچیدگیوں میں کچھ ایسا پھنسا کہ زیب النسا کا دل ارادہ عقد سے بالکل ہی پھر گیا اور پھر کبھی اگر شہنشاہ کی طرف سے عقد کے متعلق سلسلہ جنبانی بھی ہوئی تو اوس نے صاف انکار کر دیا۔

جب شادی کی افواہیں اور سلسلۂ انتخاب وغیرہ سب کا انسداد ہو گیا اور معاملات یکسو ہوگئے تو عاقل خاں کی محبت کی چنگاری جو اس کے دل میں دبی ہوئی تھی پھر چمکنے لگی۔ نوکری سے تو استعفا ہی دیدیا تھا لیکن لاہور میں جی نہ لگا اور وہاں سے دہلی چلے آئے۔ جب عاقل خاں کے دہلی آنے کی خبر شہزادی نے سنی تو ایک خط اونکے نام بھیجا اور اوسمیں لکھا کہ

شنیدم ترکِ خدمت کرد عاقل خاں بنادانی

عاقل خاں نے رقعہ کی اور دوسری باتوں کا جواب دینے کے بعد اس مصرع کا جواب اس طرح دیا کہ۔

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

مختصر یہ ہے کہ عاقل خاں چھپ چھپا کر محلوں میں بھی جانے لگے اور پوشیدہ طور پر راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہیں۔ دوست دشمنوں نے لگائی بجھائی شروع کی گو صاف الفاظ میں یہ نہ کہہ سکے کہ عاقل خاں اور

زیب النسا میں در پردہ چھیڑ چھاڑ رہتی ہے مگر یہ ضرور لکھدیا کہ عاقل خاں جب
مستعفی ہو چکا تو پھر محلوں میں اُسکا آنا جانا کیا معنی رکھتا ہے اورنگ زیب
ایک بلیغ النظر بادشاہ تھا کچھ دن تک لوگوں کی یہ باتیں سنتا رہا جب صبر ہو سکا
تو خود تحقیق معاملات کی طرف رجوع ہوا۔ ایک آدھ خواص کو بلا کر بعد تہدید
حکم دیا کہ اب جسوقت عاقل خاں قلعہ میں موجود ہو فوراً ہمیں اطلاع دو اتفاق
سے ایک روز جبکہ عاقل خاں زیب النسا کے باغ میں آیا تو اُسی خواص نے
جہاں پناہ کو خبر پہنچا دی فوجوں نے فوراً باغ کا محاصرہ کرلیا اورنگ زیب
بنفس نفیس موقع پر آپہنچا زیب النسا نے اپنے باپ کو آتے ہوئے دیکھا تو
زمین پاؤں کے نیچے سے نکل گئی عاقل خاں کو ایک دیگ میں بٹھا کر فوراً
اوس کو بند کر دیا اورنگ زیب نے ہر جگہ عاقل خاں کو ڈھونڈا مگر پتہ نہ لگا
اتفاق سے وہ دیگ نظر پڑ گئی۔ زیب النسا وہیں موجود تھی دریافت کیا کہ
اسمیں کیا ہے۔ شہزادی نے کہا کہ نہانے کے لئے پانی بھروا دیا ہے۔
بادشاہ بولے پھر یہ گرم کب ہوگا اور یہ کہکر خواصوں کو حکم دیا کہ دیگ کے
نیچے فوراً آگ روشن کردو۔ جہاں پناہ کے حکم سے سرتابی کرنے کی
کس میں مجال تھی۔ دیگ دیگدان پر چڑھا دی گئی اور آگ بھڑکا دی گئی۔
شہزادی نے جب دیکھا کہ اب یہ نامراد دنیا سے سفر کر جائیگا اپنی
آبرو بچانے کے لیئے دیگ کے پاس جاکر کہنے لگی کہ۔

دم باش مثالِ کلہ بائے

یعنی بکری کی سری کیطرح دم ہو جاؤ۔ کہ باوجود زبان رکھنے کے بھی اس وقت پختنے سے آواز نہیں آتی۔ عاقل خاں کو زیب النساء کی پوری محبت تھی جلکر دم ہو گیا لیکن اُف نہ کی۔ اورنگ زیب بھی جبتک نہ سمجھ لیا کہ اب عاقل خاں بالکل مرچکا ہوگا وہاں سے قدم آگے نہ بڑھایا کہتے ہیں کہ اس دیگ کی طرف ایک خواص نے اشارہ کر دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ آخری وقت میں عاقل خاں نے یہ مطلع کہا تھا ؎

بعد مُردن زجفائے تو اگر یاد کُنم
از کفن دست بُرون آرم و فریاد کُنم

یہ واقعات اکثر تواریخ میں دیکھے گئے ہیں لیکن نقادانِ فن نے انپر جو تنقید کی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زیادہ حصہ محض لغو اور افترا آگین ہے۔ اورنگ زیب کی سیاست کا حال سب کو معلوم ہے پھر ایک ایسا زبردست اور سخت گیر بادشاہ اپنی حقیقی لڑکی کے ایسے حیاسوز واقعہ سے مطلع ہو جائے اور عاقل خاں کو سزا بھی دیدے لیکن زیب النساء سے قطعًا بازپرس نہ کرے یہ بات ہرگز سمجھ میں نہیں آ سکتی اور نہ آنے کے قابل ہے اسلئے ان واقعات کی تصدیق میں ہمیں شبہ ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو۔ زیب النساء کے کریکٹر پر ایسا بدنما دھبہ لگانا صرف مغربی مورخین کا کام

ہے جو ان باتوں کو سن سن کر حق الیقین کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں اور پھر نہایت بیباک اور آزادی کے ساتھ اُن پر ریمارکس پاس کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔

زیب النسا کی شاعری پر ریویو کرنا نہایت مشکل ہے۔ عورتوں میں ایسی ادافہمی نایاب کیا عنقا ہے۔ اوس کے کلام میں جو نمکینی اور شوخی فطرت نے عطا کی تھی وہ اُسے معاصرین میں چمکانے کے لئے کافی تھی گو اس زمانہ میں ایران و اصفہان کے بہت سے ماہرانِ فن دہلی میں موجود تھے لیکن اوس کے دماغ و ذہن سے کسی کی طبیعت ٹکر نہیں کھا سکتی تھی وہ جو کچھ کہتی تھی سمجھ کر کہتی تھی اور اُسکا کلام عیوب و متروکات سے بالکل صاف اور شستہ ہوتا تھا۔

چونکہ قدرت نے اوسے عورت بنایا تھا اسلئے شوخی اور لطافت اوسکے کلام میں مردوں سے زیادہ نمودار رہتی تھی۔ بڑے بڑے ماہرانِ فن اُسکے کلام کو بالاستیعاب دیکھتے تھے اور دنگ رہجاتے تھے۔ ہم چاہتے ہیں کہ چند زمینوں میں معاصرین کے کلام سے زیب النسا کے کلام کا موازنہ و مقابلہ کریں تاکہ ناظرین کو مقابلتاً دونوں کا حسن کلام معلوم ہوسکے۔

خواجہ حافظ اور زیب النسا

دل میرود ز دستم صاحبدلا خدارا (حافظ) دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

غم میکند فزونی اے دوستاں خدارا (مخفی) شاید نہفتہ ماند ایں راز آشکارا
سرکش مشو کہ چوں شمع از غیرت بسوزد (حافظ) دلبر کہ در کف او موم است سنگ خارا
مارا چو موم بگداخت ایں آتش محبت (مخفی) تا چند باشدت دل در سینہ سنگ خارا
کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز (حافظ) باشد کہ باز بینم آن یار آشنارا
کشتی عمر بشکست در بحر نا امیدی (مخفی) مشکل کہ باز بینم آں یار آشنارا
در کوئے نیکنامی مارا گذر ندادند (حافظ) گر تو نمی پسندی تغییر کن قضارا
حاصل نہ شد چو گاہے کامی ز بیتر تدبیر (مخفی) تاپیر اگر ازارم گردن نہم قضارا
در حلقہ گل و مل خوش خواند دوش بلبل (حافظ) ہات الصبوح ہبوا یا ایہا السکارا
بگذشت موسم گل شد نالہائے بلبل (مخفی) تاکے شراب مستی یا ایہا السکارا
آئینہ سکندر جام جم است بنگر (حافظ) تا بر تو عرض دارد احوال ملک دارا
اے خسرو زمانہ بکشاد چشم بنگر (مخفی) در نامئہ سکندر احوال ملک دارا

کلام مخفی کی خوبیاں ناظرین کلام سے مخفی نہیں ہے۔ لیکن کسی غزل کو دیکھکر اسپر غزل لکھنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ بعض مصرعوں میں تو صرف ایک لفظ مخفی کا ہے باقی سارا مصرع جناب حافظ کا ہے۔ ملاحظہ ہو شعر نمبر ۵ و ۶ لیکن بعض صورتوں میں جس قافیہ کو حافظ صاحب نے باندھا ہے اوسی کو نہایت خوبصورتی اور حسن کے ساتھ مخفی نے نظم کیا ہے جو حافظ صاحب کے شعر سے بہتر اور حسین معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً تیسرا اور چوتھا شعر۔ غرضکہ اس

غزل میں گو نہ موازنۂ طبیعت نہ ہوسکا تاہم بعض مقامات کلام سے زیب النسا
کی خوش ذہنی کا ثبوت ضرور ہو گیا۔ اسی طرح حافظ صاحب اور مخفی کی ایک
دوسری غزل ہے۔

خوش تر ز عیش و صحبت باغ و بہار چیست حافظ ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست
باغ و بہار و آب رواں این خمار چیست مخفی دلبر بکام و بادہ بکف انتظار چیست

میں "گو سبب انتظار چیست" پرازز زوائد ہے اور اسی قافیہ کو بغیر زوائد مخفی
نے اپنے دوسرے مصرعہ میں دکھایا ہے۔ صرف "انتظار چیست" نظم کرنا
قادر الکلامی کی بین دلیل ہے۔

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار حافظ کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست
فرصت شمر غنیمت و داد نشاط دہ مخفی حیران این خیال ز انجام کار چیست

مخفی کے مصرع اولیٰ میں حاصل فرصت کو "داد نشاط" بغیر کرنا بڑی اچھی بات
ہے جو حافظ صاحب کے قلم سے رہ گئی۔

پیوند عمر بستہ بموہست ہوش دار حافظ غمخوار خویش باش غم روزگار چیست
ممکن چو نیست دیدن آئینہ مراد مخفی چندیں شکایت از ستم روزگار چیست

حافظ صاحب نے اپنے شعر میں استعارات کو سمجھایا ہے اور مخفی نے
سادگی سے وہی کام نکالا ہے۔ یہ ذرا مشکل ہے۔

سہو و خطائے بندہ گرت نیست اختیار حافظ معنی عفو و رحمت پروردگار چیست

مصحفی بقدر طاعت ما گر عطا کنند   معنی در روز حشر رحمت پروردگار چیست

حافظ صاحب نے یہ دکھایا ہے کہ اگر بندہ کی سہو و خطا کے عفو کا اختیار نہیں ہی تو رحمت پروردگار کے اور کیا معنی ہیں۔ لیکن مصحفی کا مطلب یہ ہی کہ اگر ہمیں حشر کے دن ہماری طاعت و بندگی کا معاوضہ ملا تو پھر رحمت پروردگار کس کام کی ہے۔ رحمت کے معنی تو یہ ہیں کہ بندہ طاعت کرے یا نہ کرے لیکن اوسپر عنایات و مراعات کی بارش ضرور ہو۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مقامات پر مصحفی اظہار مطلب میں حافظ صاحب سے ذرا دور نکل گئی ہے۔ جیسے معراج کلام سمجھیے۔

خیر یہ غزلیں ایسی تھیں جو زیب النسا نے حافظ صاحب کی غزلیں دیکھنے کے بعد لکھی تھیں۔ اب اون معاصرین کے کلام سے موازنہ کرنا باقی ہی جو عہد مصحفی میں اپنے کلام کے کمال کیوجہ سے مشہور ہو چکے تھے انمیں سے صائب، ناصر علی اور غنی زیادہ تر مشہور ہیں اور ہم انہیں کے کلام سے مصحفی کا موازنہ و مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ غزلیں یا تو کسی مشاعرہ کی طرح پر لکھی گئی ہیں یا بجائے خود علیحدہ۔ لیکن اس میں یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ مصحفی نے کسی غزل کو سامنے رکھکر غزل کہی ہوگی۔

موازنہ کلام مصحفی و صائب

عشق عالم سوز را با کفر و ایمان کار نیست   صائب گردن ما در کمند سبحہ و زنار نیست

بت پرستی با اسلام ما را کار نیست — مخفی — غیر تار زلف ما را رشتۂ زنار نیست

ہر کہ پیراہن بہ بدنامی درید آسودہ شد — صائب — بر زلیخا طعن ارباب ملامت کار نیست

پیش ازیں ای عقل برمن طعن رسوائی مزن — مخفی — زانکہ مستان محبت را ملامت عار نیست

بر رگ جانہا کہ پیچد تا پریشاں لف نیست — صائب — نبض گلہا را نہ خیزد چشم تا بیمار نیست

لذت درد محبت را زبیدرداں مپرس — مخفی — قدر رحمت را نداند ہر کہ او بیمار نیست

مخفی کا چوتھا اور پانچواں شعر جناب صائب سے صفائی اور شستگی الفاظ میں بڑھ گیا۔ خصوصاً چھٹا شعر جس خوبی کے ساتھ ادا کیا گیا۔ وہ مخفی کا حصہ ہے زیب النسا کا مقطع اور ملاحظہ ہو جو اپنی صفائی کے اعتبار سے حاصل غزل ہے۔

مخفیا گر وصل خواہی با غم ہجراں بساز — کاندریں گلزار عالم یک گل بے خار نیست

انہیں دونوں کی دو غزلوں کے اشعار کا موازنہ پھر کیا جاتا ہے جو یقیناً خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ ان میں قوافی کا اختلاف نظرانداز کیا گیا ہے۔

نیست آساں خون نعمتہا ایوان ریختن — صائب — بر گریبان مکافات است دندان ریختن

کار معشوقاں نمک بر زخم پنہاں ریختن — مخفی — کار عاشق خون خود در پائے جاناں ریختن

سالہا گل در گریباں ریختی خون بہار — صائب — شتے ہم اشک می باید بداماں ریختن

گر نہادم داغ عشقت بر جگر معذور دار — مخفی — باغباں را میرسد گل در گریباں ریختن

آں قلم موج حلاوت لذت داں او کہ بود — صائب — میتواند قندہا از شیرہ جاں ریختن

صحبت بیگانہ می آرم تو اے آشنا — مخفی — کآبرو دشوار باشد پیش خویشاں ریختن

نقدِ جاں صائب چہ از تیغ او دارم دریغ   صائب   از مروت دور باشد عذر مہماں ریختن

دیدہ خود برکشا مخفی اگر تا کے تواں   مخفی   نقدِ عمرِ خویش را ہر سو پریشاں ریختن

ان دونوں غزلوں میں دونوں مصنفین کے اشعار باعتبار مطلب و معانی جداگانہ ہیں۔ مخفی کی نازک خیالیاں اوسکے اشعار سے صاف طور پر نمایاں ہیں اور مخفی اپنے انداز کلام میں ہر جگہ ممتاز معلوم ہوتی ہے۔ ان غزلوں میں توارد کو بھی گنجایش نہیں ملی ہے اور سب کے مضامین اچھوتے اور جداگانہ ہیں مخفی کے مقطع کا مصرع ثانی خصوصیت سے قابل داد ہے "نقدِ عمرِ خویش را ہر سو پریشاں ریختن" ہر شخص نہیں کہہ سکتا۔ اسیطرح چھٹے شعر میں مخفی نے اپنے ذہن رسا کی جولانیاں دکھائی ہیں جن کا لطف ناظرین خود اٹھا سکتے ہیں۔

موازنہ کلام مخفی و غنی

از تو دارم نیست مطلب غیر جستِ روئے دوست   غنی   میرم از اشتیاق افتان و خیزاں سوئے دوست

آہ خوش باشد کہ بینم بار دیگر روئے دوست   مخفی   در سجود آئیم بمحراب خم ابروئے دوست

ماہ نتواند از روئے خجالت شد سپید   غنی   چوں سیاہی میکند از گوشۂ ابروئے دوست

دیدۂ یعقوب گر روشن شود نبود عجب   مخفی   دیدۂ دل را کند روشن نسیم کوئے دوست

توتیائے چشم مہر جز پرتو خورشید نیست   غنی   ما بہ حسن دوستی بینیم حسن روئے دوست

غنچۂ دل بشگفد در سینہ چوں گل در چمن مخفی — مژدۂ وصلے گر آرد قاصدے از کوئے دوست

چہرۂ خود گرچہ مہ از چشمۂ خورشید شست غنی — گرد خجلت بر رخش ہست از صفائے روئے دوست

ہر نفس از رشتۂ کارم کشاید صد گرہ مخفی — پنجہ گر یکرہ زنم چوں شانہ در گیسوئے دوست

یک نفس بنشیں غنی غافل ز دامن گیریش غنی — تا نہ گردی خاک ہر گز بر مخیز از کوئے دوست

بوئے خوں آید بجائے شیر مخفی کوہکن — بشنود از بے ستوں گر شمۂ از بوئے دوست

اس زمین میں دونوں نے خوب خوب ورطبیعت دکھایا ہے۔ حضرت غنی کی طبیعت بہت زیادہ جولاں معلوم ہوتی ہے لیکن زیب النسا کا سا چلبلاپن نصیب نہیں۔ اس موازنہ سے ایک بات اور واضح ہوئی وہ یہ کہ آج دو سو برس کے بعد یورپین فلاسفرین نے یہ معلوم کیا کہ چاند سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ لیکن یہ فلسفہ عالم اسلام کے دانایان فن نے دو سو برس قبل ہی اخذ کر لیا تھا چنانچہ حضرت غنی کے آخری دو شعروں سے اسبات کا پورا ثبوت ملتا ہے کہ چاند کی روشنی ذاتی نہیں ہے بلکہ آفتاب اوسکی روشنی کا سرچشمہ ہے۔ خیر ہمیں اس وقت نظام عالم سے بحث نہیں ہے اسلئے ہم اس مبحث پر کچھ زیادہ لکھنا فضول سمجھتے ہیں ہیں تو زیب النسا کے کلام سے معاصرین شعرا کے کلام کا موازنہ مقصود ہے۔

ایکمرتبہ مصرع طرح ہوا تھا "ور اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند" اس پر بعض شعرا نے مصرع تضمین کئے جو بغرض ملاحظہ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

ہلال عید چوں بر رخ آں دلبر ہمی ماند — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

دلم آں از قہر آں آئینہ رو در بر ہمی ماند — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

چو میوہ پختہ شد بر شاخہا تر ہمی ماند — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

مسافر در سرائے کاررواں اکثر ہمی ماند ناصر علی — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

حجاب نو عروساں در بر شوہر ہمی ماند مخفی — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

مریض عشق او بسیار بر بستر ہمی ماند ایضاً — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

ان تمام تضمینوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سب سے زیادہ برمحل، اور قیع، اور حسین تضمین مخفی کی ہے۔ خصوصاً پہلا مصرع حجاب نو عروساں در بر شوہر ہمی ماند، مستغنی از تعریف ہے۔

زیب النساء گو اعلیٰ درجہ کی شاعرہ عاقلہ اور قابلہ تھی نیز شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی کی چھیتی بیٹی تھی تاہم جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اُسے تکلفات سے نفرت تھی۔ چنانچہ خود کہتی ہے۔

دختر شاہم ولیکن رو بفقر آوردہ ام — زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النساء

یہ چند قطعات بھی اسی شہزادی کی تصنیف سے ہیں جس کی لالف آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

خانہ بت خانہ داشت ابراہیم — بود ابلیس را اگر دوں را

بعنایت نگر کہ آخر کار — ایں لعین گشت و آں خلیل اللہ

دیگر

اے آبشار نوحہ گر از بہر چیستی | چیں بر جبیں فگندہ ز اندوہ کیستی
آیا چہ درد بود کہ چوں مہ تمام شب | سر را بہ سنگ می زندو می گریستی

دیگر

وائے بر شاعرانِ نادیدہ | غلطی را بہ خود پسندیدہ
سرو را قدِّ یار مے گوید | سرو چوبے است تا تراشیدہ

دیکھئے یہ شعر کیا اچھے ہیں ؎

ہر دم آزردگی غیر سبب را چہ علاج | ما گذشتیم ز لطفت تو غضب را چہ علاج
فرض کردم کہ بیادِ تو دلم خورسند است | لیکن ایں دیدۂ دیدار طلب را چہ علاج
آں چہ بر دل گذرد از غمِ ہجر تو مرا | یک بیک شرح دہم لیک ادب را چہ علاج
میتواں عشق نہاں داشت زمردم لیکن | زردئی رنگِ رخ و خشکی لب را چہ علاج

ان اشعار میں تخیل کا اعلیٰ نمونہ دکھایا گیا ہے اور یہ جذبات طرازی بغیر محبت کے حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ زیب النسا کے دل میں محبت کی آگ ضرور سلگ رہی تھی۔ ورنہ اسکے قلم سے ایسے آتش ناک اشعار کبھی نہیں نکل سکتے تھے اشعار مندرجہ ذیل میں بھی نہایت اعلیٰ تخیل کا انتظام کیا گیا ہے جو زیب النسا کے دلی جذبات کے ترجمان ہیں ؎

حمد،

اے بتو قایم وجود اصل ہر موجود ما — شد بتو روشن چراغ گوہر مقصود ما

نعت،

تا دین جہانگیر تو افراخت علم را — بگرفت اقالیم عرب را و عجم را

عشق،

خیال چشم جادو کردم امشب — گل مقصود را بو کردم امشب

نہ بزم بلبلاں از شاخ تا صبح — بباغ یا ہو کردم امشب

چوں وعدۂ دیدار تو افتاد بہ محشر — کارم ہمہ افتاد بفرداے قیامت

ہر روز قیامت گذرد بر دل مخفی — تا چند تواں وعدہ بفرداے قیامت

پروانہ صفت زآتش دل بال و پرم سوخت — چوں شمع سحر ہجر ز پا تا بہ سرم سوخت

تو گر از رنگ معشوقی می اندر جام خواہی کرد — جہانے را بہ عاشق پیشگی بدنام خواہی کرد

اگر آئین ناز اینست و این طرز نگہ کہ تو داری — تو کار صد مسیحا را بیک دشنام خواہی کرد

فروغ حسن گر اینست استغنا چنین باشد — باندک فرصتے آتش بجان انس و جاں افتد

فتاد آخر بہ رسوائی ز عشقم کار میترسم — کہ آخر راز پنہاں بر زبان دماں افتد

بے ثباتی۔

بصد افسوس و نومیدی زعمر رفتہ یاد آرد — چوں مخفی را نظر بر چشمۂ سحر رواں افتد

چند تاسف خوری بہر بقاے وجود — جام فنا نوش کن ذوق بقا زد طلب

جانب آب حیات خضر اگر رہبر است — در پے او راہ گیر جام بقا زد طلب

بانگ جرس چوں شنود ہم نفس کارواں   در دل تاریک شب ساز دنواز طلب

نقادان سخن اس نمونہ کلام کے دیکھنے کے بعد اندازہ لگا سکتے ہیں کہ زیب النسا
نہایت اعلیٰ درجہ کی شاعرہ تھی۔ اُسکے کلام میں صفائی اور قدرت بیحد
تھی وہ اپنے کلام پر خود نازاں تھی جیسا کہ اس کے اس مصرع سے ظاہر ہوتا ہے

"سکہ بر نقد سخن را بج ایراں زدہ ام"

گو محل شاہی میں دیوان حافظ دیکھنے کی سخت ممانعت تھی لیکن زیب النسا
کو خود اورنگ زیب نے اجازت دیدی تھی کہ وہ دیوان حافظ مطالعہ کرسکتی
ہے دیوان حافظ دوسری کتابوں سے نسبتاً زیادہ زیر مطالعہ رہا ہی۔ اسلئے
زیب النسا کو خود اورنگ زیب کی غزلوں پر ہیں۔ زیب النسا کا تخلص مخفی
تھا اور یہ تخلص ایک عورت کے لئے موزوں اور مناسب بھی معلوم ہوتا ہے
دیوان مخفی کے بہت سے ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں لہٰذا ضرورت نہیں ہے کہ
مخفی کی اور غزلیں مکمل یا جزواً یہاں درج کی جائیں مشتاقان سخن اگر دیکھنا
چاہیں تو دیوان ملاحظہ فرمائیں۔

سنہ ۱۱۱۳ھ میں جب شہنشاہ اورنگ زیب فتوحات دکن میں مصروف تھے۔
شہزادی زیب النسا کو بخار کی شکایت ہوئی دل دنیا کی سرد مہریوں سی سرد
ہو چکا تھا، حوادث اپنا اثر پیدا کر چکے تھے۔ بے ثباتی کی تصویریں نظر دنیا
چھائی ہوئی تھیں۔ یہ بخار نہ تھا بلکہ پیام اجل تھا جس نے زیب النسا کی جان

لیکن چھوڑی آخرہ ۶ برس کی عمر میں انتقال کیا اور اپنے کلام کے سوا اور نام کے علاوہ کوئی چیز یادگار نہ چھوڑی۔ بادشاہ کو یہ خبر پہونچی تو باوجود ضبط و استقلال کے صبر نہ کر سکا اور بے اختیار ہو کر آنسو نکل آئے سید امجد خاں اور شیخ عطاء اللہ حافظ خاں وغیرہ کے نام احکام جاری ہوئے کہ شہزادی مرحومہ کو ثواب پہونچانے کے لئے فاتحہ اور خیرات کا انتظام کریں۔

معاصرین شعرا میں سے کسی نے یہ قطعہ اسکے انتقال کے متعلق لکھا ہے

آہ زیب النسا بحکم خدا — ناگہاں از نگاہ مخفی شد
منبع علم و فضل و حسن و جمال — ہمچو یوسف بچاہ مخفی شد
سال تاریخ از خرد جستم — گفت ہاتف کہ ماہ مخفی شد

لیکن اس مادہ تاریخ سے ۱۰۵۰ھ حاصل ہوتے ہیں اور اگر بالفرض ک اور ہ (کہ) کے اعداد بھی اس میں جمع کر لئے جائیں تو ۱۰۷۵ھ نکلتا ہے یا تو یہ قطعہ اور مادہ غلط ہے یا سن رحلت میں اختلاف ہے۔

بعض تواریخ میں مادہ تاریخ "ادخلی جنتی" لکھا ہے جس سے ۱۱۱۲ھ نکلتے ہیں لاہور میں زیب النسا نے جو باغ بنوایا تھا اسکا حال ناظرین گذشتہ صفحات پر پڑھ آئے ہیں۔ چنانچہ حسب وصیت نعش وہاں پہنچائی گئی اور وہیں دفن ہوئی۔

حکیم مظفر حسین صاحب لکھتے ہیں کہ شہزادی کی نعش حسب وصیت نے کوٹ

کے قریب (جواب نون کوٹ کہلاتا ہے) لاہور میں دفن ہوئی جس باغ
میں زیب النسا کی نعش دفن کی گئی وہ چوبرجی والے باغ کے قریب
واقع ہے اسکی چار دیواری پختہ بنوائی گئی تھی اس میں چار دروازے
تھے جن میں سے اب صرف دو موجود ہیں۔ ایک شرق رویہ دوسرا شمال
رویہ مشرق رویہ صدر دروازہ ہے اسکے چاروں طرف پر چار برجیاں بنی
ہوئی تھیں۔ یہ دروازہ اسقدر عظیم الشان اور بلند بنوایا گیا تھا کہ اسمیں سے
ہاتھی معہ عماری کے بے تکلف نکل جاتا تھا۔ مگر یہ دروازہ اسوقت بند ہے۔
یہ عمارت اور باغ کسی وقت میں جسقدر دلفریب اور دلکش تھے اب اسیقدر
ہولناک اور مہیب ہیں۔ اس میں آباد کر دیا ہے گو عمارت کا بہت سا حصّہ
مسمار ہو چکا ہے تاہم دو برج اسوقت تک موجود ہیں۔ شمالی دروازہ اہل
قریہ کی آمد و رفت کے لئے وقف ہے اسکے علاوہ ایک چھوٹا سا دروازہ
جانب جنوب بھی موجود ہے باغ کے قریبًا نصف حصّہ میں اسوقت ایک
موضع آباد ہے جسے نواں کوٹ کہتے ہیں۔

شہزادی زیب النسا کا مقبرہ اسی باغ کی غربی دیوار سے ملحق ہے۔ چونکہ
تاریخوں میں لکھا ہوا ہے کہ شہزادی کا تعویذ وسط باغ میں بنایا گیا تھا اسلئے
اس سے پایا جاتا ہے کہ گویا موضع نواں کوٹ کی آبادی بھی اس باغ کے

اندر ہے۔ اور اس سے اس باغ کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے
سلطنتِ مغلیہ کے آخری دور تک یہ باغ نہایت سرسبز آراستہ و پیراستہ
رہا اور گو شالا مار کا مقابلہ نہ کر سکا لیکن اس سے دوسرے درجہ پر ضرور رہا
لیکن جو حالت اسکی آج ہے وہ ضرور توجہ کی محتاج ہے۔
تواریخ میں مذکور ہے کہ اس باغ کی روشیں اور سڑکیں سنگ سرخ سے
تعمیر کی گئی تھیں۔ اور اس کے حوض اور شہ نشین وغیرہ سنگ مرمر کے
بنائے گئے تھے۔ مقبرہ بھی بحالت مجموعی نہایت شاندار تھا۔
مؤلف حیات زیب النسا تحریر فرماتے ہیں کہ جب سلطنت اسلام کا
پھریرا ہندوستان میں لہرا چکا۔ اور پنجاب سکھوں کے قبضۂ اقتدار میں
آیا تو خاص شہر لاہور میں تین حاکم مقرر ہوئے۔ جن میں سے ایک سردار
سوبھا سنگھ نے اپنے ملازم محکم دین کو یہ باغ سپرد کر دیا اور اُسنے وہیں
سکونت اختیار کر لی اور موضع نواں کوٹ وہاں آباد کیا۔ باغ کی غربی
دیوار کے ارد گرد مکانات بنوائے اور سنگ مرمر کے دلفریب فوارے اکھڑوا کر
پھینک دیے۔ سڑکوں اور روشوں کو غیر ضروری سمجھ کر برباد کرا دیا۔ حوضوں
کو بند کر دیا اور وہ بیش قیمت پتھر جو وہاں سے اوکھاڑے گئے تھے فروخت
کر دیے۔ خدا جانے کیا رحم آیا کہ مقبرہ چھوڑ دیا۔
مقبرہ زیب النسا کی حالت موجودہ اسقدر عبرت خیز ہے کہ سُننے سے

کلیجہ کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مقبرہ کے چاروں دروازے پھونس کی ٹٹیوں سے بند ہیں اور گنبد کے اندر مرغیاں پلی ہوئی ہیں اور اُن کا محافظ ایک کُتا ہے۔ افسوس صد افسوس۔ کوئی نہیں جانتا کہ مرنے کے بعد اوس کی قبر سے کیا سلوک کیا جائیگا اس مقبرہ میں زیب النسا ہے اور اس مرغی خانہ میں وہی شہزادی آسودہ ہے جس نے چند عرصہ پہلے دلوں پر حکومت کرنا آتی تھی۔ جو اورنگ زیب کی نورنگاہ، عاقل خاں شہزادہ فرخ، ناصر علی، وغیرہ کی مطمح نظر اور بڑی بڑی بیگموں کی پیاری تھی۔ اگر یہی سلوک کسی مغربی شاعر کی قبر کے ساتھ ہوتا۔ یا کسی مغربی شہنشاہ کی زوجہ کے مزار کے ساتھ یہی برتاؤ زمانہ کرتا تو غالباً گورنمنٹ اُسے ٹھنڈے دل سے ہرگز نہ دیکھہ سکتی اورنگ زیب کی نورنگاہ اس حالت میں پڑی ہوئی ہے اور اس کا کوئی پرسان حال نہیں۔ کیا گورنمنٹ چاہے تو اس مقبرہ کی اصلاح ناممکن ہے۔

وہ انجمنیں، اور وہ جماعتیں، جو غالب و ذوق کے مزاروں کی اصلاح کے لیے مستعد ہیں اگر مزار مخفی کیطرف بھی توجہ کریں تو بعید از انصاف نہ ہو۔ اوسے اورنگ زیب کا لخت جگر سمجھ کر اصلاح نہ کیجیے بلکہ ہندوستان کی ایک مشہور شاعرہ ہی سمجھ کر توجہ کو کام میں لائیے۔ اگر مقبرہ موجودہ گندگی سے پاک کر دیا جائے تو یقیناً مرحومہ کی روح کی خوشی کا باعث ہو۔

زیب النسا کی چار بہنیں اور بھی تھیں۔ زینت النسا بیگم، بدر النسا بیگم، اور
نواب مہر النسا بیگم شاہی زمانہ میں ان کو ہمیشہ نواب کا خطاب دیا جاتا تھا۔
ان چاروں کے مختصر حالات جو ہمیں معلوم ہوئے وہ یہاں درج کئے جاتے
ہیں۔ نواب زینت النسا بیگم ۱۰۵۳ھ میں پیدا ہوئی۔ علاوہ حسن و جمال کے
نہایت سنجیدہ اور متین شہزادی تھی۔ اس کی شادی اورنگ شاہ
والئی ترکستان سے ہوئی تھی۔ اس نے ۱۱۰۹ھ ماہ دسمبر میں انتقال کیا۔
دوسری بہن بدر النسا بیگم ۱۰۵۷ھ میں تولد ہوئی۔ یہ ذرا شوخ مزاج اور تیز
طبیعت خاتون تھی لیکن والدین اس کو بہت عزیز رکھتے تھے اس نے
اپنی جوانی سے پھل نہ پایا اور عین عالم شباب میں فوت ہو گئی تیسری بدر النسا بیگم
۲۶۔ رمضان ۱۰۶۱ھ میں پیدا ہوئی شاہ جہاں کی تحریک سے ایک بوڑھی
معلمہ اسکی تعلیم کے لئے مقرر ہوئی۔ یہ لڑکی ترکی اور عربی زبان میں کافی
دستگاہ رکھتی تھی۔ جب سن بلوغ کو پہونچی تو شاہجہاں نے اورنگ زیب
سے درخواست کی کہ اس کی شادی پسر خورد دارا شکوہ سے کرنی چاہیئے
اورنگ زیب بوجوہ اس رشتہ کو پسند نہ کرتا تھا لیکن جہاں پناہ کا اصرار
اس کو مجبور کئے ہوئے تھا اسلئے مجبوراً شاہجہاں کے کہنے کے موافق
شادی ہو گئی۔ یہ لڑکی بھی عین عالم شباب میں دار فانی سے رخصت ہو گئی
چوتھی بہن نواب مہر النسا بیگم تھی۔ ۳۔ صفر ۱۰۷۲ھ میں پیدا ہوئی۔ یہ

لڑکی میدانِ تصوف میں بھی قدم رکھتی تھی اور زیب النساء سے اس کی اکثر
نوک جھوک ہوتی رہتی تھی۔ اس کے بطن سے بعد شادی تین بچے بھی
پیدا ہوئے اسکا تفصیل معلوم نہیں۔
یہ پانچوں بہنیں دلرس بانو کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ جو شاہ نواز خاں
صفوی کی دختر نیک اختر تھیں شاہ نواز خاں ایک ایرانی نژاد سردار تھا اسکا
پہلا نام بدیع الزماں تھا۔ شاہ نواز خاں عہد جہانگیر سے ممتاز عہدوں پر مامور
رہا جہانگیر کے بعد عہد شاہجہانی میں بھی اس نمکخوار سلطنت نے بہت سے
کام انجام دیئے جن کی وجہ سے اس کا وقار چشم سلطنت میں بڑھتا گیا شاہ
نواز خاں کا خاندان ایران میں خاص وقعت رکھتا تھا اور دلرس بانو بیگم
نہایت جمیل و شریف لڑکی تھی اس سے شاہجہاں نے بھی مناسب سمجھا
کہ عالمگیر کا عقد اس سے کر کے شاہ نواز خاں کو شاہی سلسلہ میں منسلک
کر لیا جاوے۔ چنانچہ ۱۰۴۶ھ میں شاہزادہ عالمگیر کی شادی دلرس بانو
بیگم سے ہوئی۔ طالب کلیم نے جو اس زمانہ کے مشہور شاعروں میں سے
یہ مصرع تاریخ لکھا۔

دو گوہر بہ یک عقد دوراں کشید

غرضکہ زیب النساء نجیب الطرفین تھی اور نجیب الطرفین ہونے کی وجہ سے
اوس کی شرافت و متانت نے عالمگیر شہرت حاصل کر لی تھی۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ خاندان مغلیہ کی "لائف اوف حرم" پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالیں اور دکھائیں کہ اُس زمانہ میں شاہی خاندان کی طرز معاشرت کیا تھی اور انگریز مورخین نے جو اُن کے کریکٹر پر خراب ریمارکس پاس کئے ہیں وہ کہاں تک صحیح ہیں۔ سب سے پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ شاہی خاندان میں لڑکیوں کی شادی نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن زیب النسا کی بہنوں کے حالات سُننے کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ رواج اس زمانہ میں رہا ہو گا گو زیب النسا نے عالم تجرد میں اپنی زندگی بسر کی لیکن بالعموم خواتین مغلیہ پر الزام لگانا محض افترا پردازی پر مبنی ہے اور یورپین مورخین کی غلط بیانی کی دلیل کافی زیب النسا نے عالم تجرد میں زندگی کے دن کاٹے تو اس کی وجہ خاص تھی۔ ایک تو پولیٹکل پیچیدگیوں نے اُسکے دل کو خالی از مسرت کر دیا تھا اور سیاسی اُلجھنیں اُس کے جذبات تعیش کو اُکسانے سے معذور تھیں دوسری بات یہ ہے کہ وہ علم وفضل میں اپنی معاصر عورتوں اور بیگموں سے بہت زیادہ فایق ولایق تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اگر اُس کی شادی ہو تو کسی ایسے جوان رعنا سے ہو جو شکل وشمائل میں حسن صورت اور حسن سیرت میں غرضکہ ہر طرح اسکا ہمسر ہو۔ اُسے محض اپنے نفس کی خواہشات مجبور نہ کر سکیں کہ وہ بے دیکھے بھالے شہزادہ یا امیر کا پیام قبول کر لے۔ اُسے اپنا ہمسر نہ ملا اور اسی سے لئے اُس نے اپنی شادی

نہ کی۔ گو اُس کی شادی نہ ہوئی اور وہ دُنیا کے لذائذ سے غیر متعلق رہی تاہم اُس کے دامنِ عصمت پر کسی قسم کا دھبہ نہ لگا۔ کسی خاتون کے حسن و جمال کا شہرہ عام سُنکر اگر کوئی ارادہ عقد یا حسرتِ تعلق کا اظہار کرے تو اس حالت میں وہ خاتون بے قصور و بے گناہ ہے۔ پس عاقل خاں کا قصہ تھوڑی دیر کے لئے صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی زیب النسا کا اخلاق قابل الزام نہیں ہے۔ کوئی مورخ اسوقت تک یہ ثبوت نہ دے سکا کہ زیب النسا نے اپنی عصمت کو معرضِ خطر میں ڈالا۔ اوّل اورنگ زیب کا عہد کہ خلاف ورزی شرع پر سخت سزائیں دیجاتی ہیں اور منہیات شرعی سے اجتناب کیلئے سخت تاکید تھی۔ کیا یہ ممکن تھا کہ یہ اثرات بیرونی فورس ڈالیں تمام ملک رعب شاہی سے لرزاں رہے اور محلات میں عصمت فروشی کا بازار گرم رہے۔ دوسری بات جو اُسکے باعصمت ہونے کا ثبوت دیتی ہے وہ اوسکا تجربہ ہے کہ علم میں درجہ کمال حاصل کرنے کے بعد طبیعت خواہشات نفسانی سے بالکل منزہ ہو جاتی ہے اور خطرات ووسواس شیطانی پر جذبات باطن غالب آجاتے ہیں۔ اُس کے کلام سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ اُس کی طبیعت تصوف کی طرف بہت زیادہ راغب تھی اور وہ نفس کی کشاکش سے بہت زیادہ علیحدہ رہتی تھی۔ اگر اسکی بذلہ سنجی اور حاضر جوابی اُس کی عصمت کیطرف سے مشتبہ کرتی ہے تو یہ بھی غلط ہے اسنے کسی کو ایسا جواب نہیں دیا

جو اس کے اخلاق و بطون کے خلاف ہو طبیعت کی پاکیزگی اسکے ہر جواب میں مضمر معلوم ہوتی ہے۔

ایک واقع سے واضح ہوتا ہے کہ خواتین مغلیہ کس خوبصورتی سے اُن لوگوں کو ٹال دیتی تھیں جن کے لئے انہیں انکی طرف سے ذرا بھی بدنیتی ہوتی تھی۔

اُن کا اصول یہ تھا کہ "سانپ مرجائے اور لاٹھی نہ ٹوٹے" وہ ہر کام میں مصلحت کو مقدم اور ضروری سمجھتی تھیں۔ چنانچہ مصنف خزانہ عامرہ صیدی طہرانی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ایک دن جہان آرا بیگم جو زیب النسا کی رشتہ کی پھوپی ہوتی تھیں باغ میں مصروف گلگشت تھیں ہر طرف پردہ کا انتظام نہایت معقول تھا اور اس باغ میں مردوں کی آمد و رفت کی قطعی ممانعت کر دی گئی تھی۔ مگر جناب صیدی کو شرارت سوجھی اور باغ کی سہ دری میں چھپ چھپا کر جہان آرا بیگم نے گلزار حسن کی خوشہ چینی کرنے لگے۔

شہزادی ہاتھی پر سوار تھی اور ادھر ادھر قطار در قطار خواصیں ہم جلوس تھیں جب شہزادی کا ہاتھی اس سہ دری کے بالکل نزدیک آیا تو صیدی صاحب کی زبان سے بیساختہ یہ مطلع نکل گیا۔

برقع بہ رخ افگندہ برد ناز بباغش تا نکہت گل بیختہ آید بدماغش

گو اس مطلع میں کوئی پہلو گستاخی آمیز نہیں ہے تاہم شہزادی نے حکم دیا کہ صیدی کو میرے سامنے لاؤ۔ خواصوں نے حاضر کیا شہزادی نے چند مرتبہ

صیدی سے اس مطلع کا اعادہ کروایا اور پانچہزار روپیہ انعام دیکر شہ
بدر کرادیا۔

اس واقعہ سے خاندان مغلیہ کی باعصمت وعفت خواتین کا اشتغال
اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح زیب النسا نے کبھی گوارا نہ کیا کہ اسکی
نگاہوں کے سامنے کوئی آئے اور بے داغ چلا جائے۔ اگر کسی نے کچھ
تو فوراً جواب دیدیا جس سے "انجمو نشی نیم رضا" کا غلط خیال پیدا نہو۔ وہ
شرم کی مجسمہ تھی۔ چنانچہ خود کہتی ہے ؎

گرچہ من اسا ہم دل چو مجنون ز ہوست
سر بہ صحرا می زنم لیکن حیا زنجیر ماست

عاقل خاں کا معاملہ جو اس سے متعلق کیا جاتا ہے وہ بھی سراسر غیر صحیح
ہے اگر خدانخواستہ صحیح بھی ہو تو اس سے زیب النسا کے کریکٹر پر کوئی حرف
نہیں آتا۔ ناقل واقعات نے یہ کہیں بھی نہ دکھایا کہ عاقل خاں اور زیب النسا
میں کوئی ناجائز تعلق تھا۔ دلوں میں فریقین کی محبت موجزن ہو تو ہو
لیکن بطون دونوں کے صاف تھے۔ ہاں زیب النسا کے حالات و
واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپس میں انس ہم مذاقی
ضرور تھا اور انس ہم مذاقی رکھنا کوئی گناہ عظیم نہیں ہے۔ چونکہ وہ خود
شاعرہ تھی اور جمیل اس لئے قادر الکلامی اور سنجیدہ طبع اہل سخن کی
نگاہوں میں بہت جلد اور دل میں رفتہ رفتہ گھر کر لیتے تھے مذاق سخن

درہم مشربی دونوں میں انسیت پیدا کرنے کے لئے ایک کافی
سبب تھا۔ عاقل خاں کا دیگ میں بند ہو کر دم ہو جانا اس بات کی
دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ زیب النسا پر عاشق تھا اُسے اس وقت
محض خوف شاہی کی وجہ سے اپنا دم گھونٹنا پڑا کہ دیگ سے نکل کر
ادھر اُدھر بھاگتا تو گرفتار ہو جاتا اور اس سے بھی زیادہ پریشان ہوتا
خدا جانے عتاب خسروی کیا رنگ لاتا اس لئے مجبوراً دیگ میں
جل مرنا پسند کرتا اور زیب النسا کا یہ کہنا کہ "دم باش مثال کلہ بارے"
عاقل خاں کے ساتھ کچھ کام کرے گا۔
اس نامورہ پری جمال اور فرشتہ خصلت کی وقعت گھٹانے اور شان مٹانے
کی جہاں اور تدبیریں کی گئی ہیں وہاں ایک تدبیر یہ کی گئی ہے کہ اسکے
کلام کو دوسرے کا کلام اور اس کے دیوان کو دوسرے کا دیوان کہا جاتا
ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ دیوان مخفی کے نام سے مشہور ہے تصنیفات
رشتی میں سے ہے۔ لیکن بقول حکیم مظفر حسین صاحب جب یہ دیوان
رشتی کا تھا تو ہر غزل کے مقطع میں مخفی کیوں لکھا گیا اور رشتی لکھنے سے
کیوں گریز کیا گیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شاعر کے دو تخلص ہوتے ہیں
یعنی ایک تخلص کسی اور زبان میں اور دوسرا کسی اور زبان میں برتا جاتا
ہے یا اکثر اصناف نظم میں جہاں ایک تخلص نہیں آتا وہاں دوسرے

تخلص سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ رشتی صرف زبان فارسی کا شاعر تھا اس لئے اُسے دو دو تخلص رکھنے سے کوئی فائدہ نہ تھا۔ بہر صورت دیوان جو مخفی کے نام سے مشہور ہے مخفی ہی کا ہے اور اس میں کسی دوسرے کے کلام کو جگہ نہیں ملی ہے۔ حکیم صاحب موصوف نے تحقیق کیا تو انہیں دیوان مخفی کے کئی نسخہ دستیاب بھی ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ ایک نسخہ مسٹر مور کے پاس موجود ہے جو قلمی ہے ۔ یہ علاوہ خوش قلم ہونے کے دلکش بھی بنایا گیا ہے اور اس کے حاشیہ اور جدولوں پر نقاشی کی گئی ہے گو اُس پر کوئی سال کتابت تحریر نہیں ہے لیکن کاغذ اپنی قدامت کی شہادت ضرور دیتا ہے۔ وہ نہایت پرانی طرز کا ہے اور بوسیدہ ہو گیا ہے۔ جس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس کی عمر سو سال سے کم نہ ہوگی۔ صاحب موصوف کا بیان ہے کہ یہ نسخہ کابل سے دستیاب ہوا تھا۔

ایک دوسرا نسخہ بہ خط نسخ ۱۲۰۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے کاتب مولوی حسن علی صاحب اکبر آبادی ہیں۔ اس کی تحریر بہت گنجان ہے۔ اپنی قدیم الروشی کا ثبوت دیتی ہے۔ گو اب گنجان لکھنا متروک ہو گیا ہے۔ لیکن ازمنۂ قدیم میں ایسی لکھائی بہت زیادہ مقبول ہوتی تھی۔

تیسرا نسخہ اور ملتا ہے جس پر سال تحریر سنہ ۱۱۹۶ھ یا سنہ ۱۱۷۶ھ مشکوک طور پر پڑھا جاتا ہے اور اس کے پڑھنے کے لئے خوردبین کی ضرورت ہوتی ہے کاتب کا نام اس پر تحریر ہے لیکن کچھ محو سا ہو گیا ہے اور صرف بیگ پڑھا جاتا ہے۔

ایک نسخہ سید بہادر شاہ سوداگر عجائبات کے پاس موجود ہے جو کسی قدر غلط ہے۔ اسکا خط بھی معمولی ہے۔ لیکن بہت قدیم ہے۔

دیوان مخفی کا ایک نسخہ پنجاب لائبریری میں بھی موجود ہے اس پر سن تحریر ۱۲۲۱ھ ثبت ہے اور لکھائی چھپائی بھی اس کی نہایت صاف و شفاف ہے۔

ہندوستان کے اکثر مطابع میں یہ دیوان چھپا ہے اور بیشتر پر دیوان زیب النسا مخفی لکھا ہوا ہے۔ لیکن نول کشور پریس سے جو ایڈیشن شائع ہوا ہے اس پر رشتی تخلص لکھا ہوا ہے اور یہ کارپردازان مطبع کی غلط فہمی ہے جس کا انہیں فوری طور پر انتظام کرنا چاہئے کہ جس دیوان کو عامۃ الخلایق زیب النسا مخفی کا دیوان بتاتے ہیں اسی دیوان کو مطبع نولکشور کے کارپرداز رشتی کے نام سے منسوب کرتے ہیں ان کا یہ یک طرفی فیصلہ کسی طرح بھی ماننے کے قابل نہیں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ شہزادی زیب النسا کے زمانہ میں اکثر تصانیف

ایسی ہوئیں جن کو زیب النسا کے نام سے منسوب کر دیا گیا تھا مثلاً زیب التفاسیر وغیرہ۔ اسی طرح ممکن ہے کہ یہ دیوان بھی کسی نے کہدیا ہو۔ لیکن یہ خیال بھی محض غلط ہے۔ ممکن ہے کہ بہت سی کتابیں شہزادی کے نام سے منسوب کی گئی ہوں لیکن وہ کتابیں تصنیفات مخفی میں شمار نہیں کیجاتیں اور نہ زیب النسا اُن کی دعویدار بنتی ہے۔ اس دیوان کا تصنیف مخفی سے ہونا اس لئے اور بھی زیادہ صحیح ہے کہ اکثر اشعار میں اُس نے کچھ واقعات ایسے قلمبند کر دیے ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ واقعات صرف زیب النسا دختر اورنگ زیب سے متعلق ہیں ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے عقل سلیم کبھی گوارا نہیں کرتی کہ یہ دیوان سوائے زیب النسا کے کسی اور نے تصنیف کیا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب اکثر مواقع کے ضرب المثل اشعار اُس کی تصنیفات سے مانے جاتے ہیں تو دوسرے اشعار کو اُس کی تصنیف سے نہ سمجھنا صریحی غلطی ہے یہ بات دوسری ہے کہ کسی مورخ کو وقت پر اُس کا دیوان نہ ملا ہو چند شعر سُنے سُنائے یاد آگئے ہوں اور انہیں کے لکھنے پر اکتفا کی گئی ہو۔ جیسا کہ مولانا غلام علی آزاد نے اپنے تذکرہ "ید بیضا" میں لکھا ہے "این دو بیت از نام او مسموع شدہ" وہ دونوں اشعار یہ ہیں۔

بشکند دستے کہ خم در گردنِ یارے نہ شد ۔۔۔ کور بہ چشمے کہ لذت گیرِ دیدارے نہ شد

صد بہار آخر شد و ہر گل بفرقے جا گرفت　　غنچہ باغ دل ما زیب دستارے نشد

کہتے ہیں کہ مخفی کے کسی ہمعصر لیکن شوخ شاعر نے اس پر ایک مصرع کا اضافہ
کرکے اسے مخمس کر لیا تھا۔ وہ مصرع یہ ہے۔

"پیر شد زیب النسا لیکن خریدارے نشد"

حضرت آزاد نے جو بات حقیقت میں سنی تھی لکھدی۔ یہ ان کی معلومات
کا نقص ہے کہ انہیں مخفی کا اور کلام نہ ملا لیکن وہ بھی یہ نہیں کہتے کہ مخفی
صاحب دیوان نہ تھی یا اور غزلیں یا اشعار اس کی تصنیف سے نہیں ہیں۔
غرض یہ ہے کہ زیب النسا صاحب دیوان تھی " اور جو دیوان مخفی کے نام
سے مشہور ہے وہ اسی کا ہے اور اس میں دوسرے کے تصرف کا شائبہ
بھی نہیں ہے۔

زیب النسا نے عمر بھی اچھی پائی۔ یہ اس کی توانائی کی دلیل ہے صحت اسکی
ہمیشہ اچھی رہی وہ امراض کا بہت کم شکار ہوئی ان باتوں سے بھی معلوم
ہوتا ہے کہ اس کے نفس میں الجھنیں نہ تھیں جن کی وجہ سے اُسے شکار
آلام ہونا پڑتا۔ وہ نہایت درجہ کی پارسا عبادت گزار متقی اور فقیر مشرب
شہزادی تھی ہمیں اس کی لائف سے کئی سبق ملتے ہیں اگر ہم چشم باطن اور
دیدہ حقیقت سے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ زیب النسا ہمارے
لئے ایک پاک اور اعلیٰ زندگی کا نمونہ چھوڑ گئی ہے۔ اس کی تقلید ہمارے لئے

شرمناک نہیں ہے بلکہ قابلِ فخر ہے۔ پھر اس کی لائقی سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عورت زیورِ علوم سے آراستہ ہو تو بہت سی برائیوں سے محفوظ رہ سکتی ہے اور زمانے کے نشیب فراز سے واقف ہونے کے بعد زمانہ کے دامِ تزویر میں گرفتار نہیں ہو سکتی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل ہم میں ایسے مقدس نفوس کی کمی ہے جو زیب النسا کا ثانی بن سکیں۔ لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ اگر چشمۂ علوم سے آبیاری ہو اور زیورِ فنون سے آراستگی ہو تو اب بھی ہم میں زیب النسا اور نور جہاں جیسی خواصیں نظر آسکتی ہیں۔ زیب النسا نے یہ بھی دکھا دیا کہ ناز و نعم میں مصروف رہنے ہی سے لیاقت اور علم نہیں بڑھتا۔ بلکہ دل میں دولت فقر اور طبیعت میں سادگی ہونے سے بھی سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔

زیب النسا نے ایک معمولی اور سادہ زندگی بسر کی۔ وہ ایک بادشاہ کی چہیتی اور لاڈلی بیٹی تھی اگر چاہتی تو موتی چگتی، سونے چاندی میں کھیلتی آبِ زر سے نہاتی، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ہمیشہ وہی سادگی پسند کی اور تکلف سے مجتنب رہی اس کی زندگی سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ کثرتِ عیش و تنعم دنیا میں ایک فضول چیز ہے۔ اس سے جو لوگ دور بھاگتے ہیں وہ ہی اچھے رہتے ہیں اور جو لوگ اِن کی قربت چاہتے ہیں وہ برباد دنیا کو زیب النسا نے دار البقا نہیں سمجھ لیا تھا۔ جب تذکرہ کوئی ذکر آتا تو وہ

بے ثباتی دنیا پر مبسوط و مدلل لیکچر دیتی تھی کہ اس کی سننے والیاں گو وہ کیسی ہی مائل عیش وعشرت وتنعم پسند کیوں نہ ہوتیں ایک دفعہ تو اس سے متاثر ہو ہی جاتی تھیں۔ اور تھوڑی دیر کے لئے تو ان کے دل سے خیال عیش ونشاط نکل ہی جاتا۔

زیب النسا شہزادی، لائق شاعرہ اور حسینہ ہونے کے علاوہ فلسفہ سے بھی اچھی طرح واقف تھی۔ اس کے کلام سے فلسفیانہ رنگ صوفیت سے بھی زیادہ مترشح ہے یہ اس میں ایک خداداد مادہ تھا کہ وہ بال کی کھال نکال لیتی تھی علم ہیئت میں بھی اُسے خاص ملکہ تھا۔ آخر وہ بھی عورت ہی تھی گو اس کے دل ودماغ میں فطرت نے ذہانت وذکاوت کا ایک خاص حصہ مرعی رکھا تھا تاہم وہ عورت تھی۔ اگر آجکل کی عورتیں بھی اسکے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور زیب النسا بننے کی متمنی ہوں تو ان کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اگر آج علوم مشرقی ہی میں پورا انہماک ہوجائے تو آپ دیکھیں کہ زیب النسا کا فسانہ اپنے اصلی رنگ میں آپ کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے لیکن افسوس، موت، دشمن حیات موت، ایک ایسی چیز ہے جس کے آگے اچھے اچھوں کی ہمت پست ہوجاتی ہے اور کسی کا کچھ بس نہیں چلتا وہی زیب النسا جس کے سوانح ہم آج درج ناظرین کر رہے ہیں بے کس مپرسی کے عالم میں بے یار و مددگار آسودہ خاک ہے اور کوئی یہ بھی

پوچھتا کہ اے فرشِ گل پر سونے کی عادی شہزادی کنکریلی مٹی سے تیری
نازک اندامی کو کوئی صدمہ تو نہیں پہنچا تیری جبین ناز گردکفن سے کہیں
میلی تو نہیں ہوگئی اب اوس کے پاس جاکر آج کوئی یہ نہیں دریافت کرتا
کہ اے محلوں کی رانی اس گوشۂ تنگ وتار میں تیرا جی تو نہیں گھبراتا۔ گرمی
کے دن ہیں، دہوپ سخت تیز ہے، پائین باغ میں اسوقت بہار آرہی
ہوگی چلمنیں پوش ہونگی خسخانہ و برف طراوت آفرین ہونگے۔ توبھی اُٹھ
اور ان سرور افزا اشیاء سے حظ اُٹھا افسوس وہ مجسمۂ حسن جس کے لئے عاقل خاں
مضطرب، ناصر علی بیتاب، شہزادہ فرخ بیقرار، اور ہزاروں دست بر دل
تھے آج خاک میں غلطاں ہے اور کسی کو اتنا بھی خیال نہیں آتا کہ اسکی روح کو
ثواب پہنچانیکے لئے کبھی ہاتھ تو اُٹھاوے۔ لوگ غفلت میں ہیں اور نہیں
جانتے کہ ایکدن ہمیں بھی اپنے ہی گوشۂ تاریک میں سونا پڑیگا اور اپنی بھی
یہی حالت ہوجائیگی جو آج زیب النسا کی ہے۔ بلکہ اس سے بدتر اسلئے
کہ زیب النسا کا نام اُسکی قابلیت و لیاقت کی وجہ سے آفتاب کی طرح صبح
محشر تک چمکے گا اور اُسکے کارنامے اُس کے بعد مدت العمر تک یادر ہینگے
اُسکے نیک اعمال اُسکے ساتھ ہیں۔ اُس نیک نفس کی اُسکی مدد ہے اور ہماری
موت اُسکی موت بھی بدرجہا بہتر و افضل ہے۔ ہم نہایت کرب و اضطراب
اور ہیجان خیالات میں اِس لائف کو ختم کئے دیتے ہیں۔ لیکن آپ سے مستدعی

ہیں کہ اگر آپ کے پہلو میں ایک درد مند دل ہے تو خدا کے لئے اسیوقت ہاتھ اٹھائیے اور مرحوم زیب النسا کی روح پر فاتحہ پڑھ لیجئے۔ ذرا دیر میں اس کی روح خوش ہو جائے گی اور بہت ممکن ہے کہ راقم آثم اس خوشی سے کوئی باطنی فیض، اور آپ مسرت حاصل کر سکیں۔

بریں رواق زبرجد نوشتہ اند بزر
کہ جز نکوئی اہل کرم نخواہد ماند

تمام شد

شبیہ امانی بیگم